کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا تفسیری جائزہ

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علومِ اسلامیہ

مقالہ نگار

شاہ رخ خان

ایم فل علوم اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر:MP-1S-F22-326

شعبہ اسلامی فکر وثقافت فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دسمبر-2024

کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا تفسیری جائزہ

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علومِ اسلامیہ

تحقیق کار

شاہ رخ خان

ایم فل علوم اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر:MP-1S-F22-326

نگران تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت،

نمل اسلام آباد

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دسمبر-2024

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھااور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا تفسیری جائزہ**

Translation of Title in English & Roman:

Qur'anic Allusions in Iqbal's Poetry: An Exegetic Assessment

KALAM E IQBAL MAIN QURANI TALMIHAT KA TAFSEERI JAIZA

نام ڈگری: ماسٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: شاہ رخ خان، رجسٹریشن نمبر: NUML-F22-21986

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی ________________

(نگران مقالہ) دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید ________________

(صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) دستخط صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

پروفیسر ڈاکٹر ریاض شاہ

ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

ڈی جی نمل

برگیڈیئر شہزاد منیر

دستخط ریکٹر نمل ________________

تاریخ: ________________

حلف نامہ فارم

(Canidate Declaration Form)

میں شاہ رخ خان ولد افتخار احمد عباسی

رول نمبر: MP-1S-F22-326 رجسٹریشن نمبر: NUML-F22-21986

طالب، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد

حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا تفسیری جائزہ**

KALAM E IQBAL MAIN QURANI TALMIHAT KA TAFSEERI JAIZA

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور پروفیسر ڈاکٹر مستفیض علوی کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: شاہ رخ خان

دستخط مقالہ نگار:

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

انتساب

میں اپنی اس سعی کو اپنے والد اور والدہ کے نام کرتا ہوں جن کی نیک تمناؤں، دعاؤں اور تربیت سے میں اس قابل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں عطا فرمائے (آمین)

اظہار تشکر

اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس کی توفیق سے یہ مقالہ لکھنے کی ہمت ہوئی اللہ تعالی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے میں اپنے والدین کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے پڑھایا اس قابل بنایا کہ میں یہ کام کر سکوں اپنے تمام اساتذہ کا شکر گزار ہوں جن کی محنت اور لگن کی وجہ سے میں اپنے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا میرے نگران مقالہ پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی کی ہمہ وقت کوشش اور دستیابی کی وجہ سے یہ کام آسان ہوا، میں ان کا شکر گزار ہوں انہوں نے مجھے وقت دیا میرے کام کو سراہا۔ صدر شعبہ ڈاکٹر ریاض سعید صاحب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مختلف امور میں رہنمائی فرمائی۔

میں اپنے اساتذہ ڈاکٹر سعاد محمد عباس صاحبہ (عربی تفاسیر سے استفادہ حاصل کرنے میں معاون رہیں)۔ ڈاکٹر ریاض محمود جو اس موضوع پر رہنمائی فرماتے رہے۔ ماہر اقبالیات ڈاکٹر قمر اقبال جو اپنی مصروفیات کے باوجود ہمہ وقت رہنمائی فرماتے رہے۔ میں ان تینوں اساتذہ کا شکر گزار ہو دعا گو ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان جو دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے آمین۔

اس طرح میرے دوست چوہدری اعجاز احمد صاحب کا شکر گزار ہوں جو اردو ٹائپنگ کی غلطیوں کی درستگی میں معاونت کرتے رہے ، اللہ تعالیٰ ان نے علم و عمل میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین

ABSTRACT

A deep study of poetic verses of Allama Dr Muhammad Iqbal reveals that in most of the cases, the main source of Iqbal's thought seems to be derived from the Holy Quran, We can clearly see Quranic verses in Iqbal's Urdu poetry. Iqbal has alluded to the philosophy and message of Qur'an in his poetic message to the Muslim Ummah. Iqbal has his own unique style to use Quranic literary allusions, revealing the message of Qur'an to the readers. Literary allusions have a special role in poetry, and it is evident that Iqbal used them extensively in his work. In this paper, the researcher has focused to examine the Quranic references and inferences in Allama Iqbal's Urdu poetry, especially with reference to classic exegesis of the divine book.In this regard, selected interpretations and commentaries in Arabic Are like Mafateeh ul Ghaib and Tafseer e Kashaaf ,and urdu tafseer are Tafheem Ul Quran,Tadabbar Ul Quran. The exegesis are are reviewed to see what various points of interpretation emerge. A special focus has been on the study of Iqbal's interpretations and inferences of divinely revealed words, adapting them in his own verses.

Key worlds:Allusions, Quranic inferences,divinely revealed.

فہرست مضامین

شمار	عنوان	صفحہ
1	مقالہ کی منظوری کا فارم	V
2	حلف نامہ	VI
3	اظہار تشکر	VII
4	انتساب	VIII
5	تعارفی ملخص	O1
6	**باب اول: تعارفی مباحث**	02
7	تعارف موضوع اور جواز تحقیق	03
8	دراسات سابقہ اور منہج تحقیق	05
9	**باب دوم: قرآن کے ساتھ اقبال کا فکری تعلق**	14
10	فصل اول: علامہ اقبال کا مطالعہ قرآن	15
11	فصل دوم: فکر اقبال کا بنیادی ماخذ قرآن	24
12	**باب سوم: کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا تعارفی جائزہ**	33
13	فصل اول: اردو ادب میں تلمیحات کی ضرورت واہمیت	34
14	فصل دوم: کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا تعارفی مطالعہ	41
15	**باب چہارم: کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا تفسیری جائزہ**	47
16	فصل اول: تلمیحات قرآنی باعتبار لفظی	48
17	فصل دوم: تلمیحات قرآنی باعتبار معنی و مفہوم	113
18	نتائج بحث	136
19	سفارشات	140
20	فہرست قرآنی آیات	141
21	فہرست مصادر و مراجع	146

باب اول: تعارفی مباحث

فصل اول: موضوع تحقیق اور جواز تحقیق

فصل دوم: دراسات سابقہ اور منہج تحقیق

موضوع تحقیق کا تعارف(Introduction to the Topic)

قرآن مجید، فکرِ اقبال کا نمایاں ترین منبع و ماخذ ہے۔ علامہ اقبال اپنی فکری شاعری میں، ارفع ترین علمی اور روحانی سطح پر قرآن مجید کے اسرار و رموز، اور حکمت و معرفت بیان کرتے ہیں-اقبالؒ بیسویں صدی کا ایسا منفرد و ممتاز نابغہ ہے جس کی ذہنی و فکری نشو و نما قرآن کریم سے ہوئی اور یہ اپنی نشو و نما میں جیسے جیسے کامل ہوتا چلا گیا، حقیقتِ قرآن کے دریچے اس پر وارد ہوتے چلے گئے جس کا عملی نتیجہ یہ نکلا کہ کلامِ اقبالؒ انسانیت کیلئے فلاح و نجات کا ذریعہ بن گیا اور ملتِ اسلامیہ کے ذہنی و قلبی امراض کیلئے چارہ گر ثابت ہوا ہے۔ علامہ محمد اقبال نے خود اپنی شاعری کا مرکز و محور قرآن کریم کو قرار دیا ہے۔

غلام مصطفیٰ علی خاں معروف ماہر لسانیات، محقق، مصنف، اور اقبال کے فکر کے ماہر تھے۔ انہوں نے علامہ محمد اقبال کی شاعری اور فلسفے کو قرآن مجید کی تعلیمات کے تناظر میں سمجھنے اور پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کی کتاب "اقبال اور قرآن" اقبال کے قرآنی فہم اور ان کے فکری نظام کی گہرائی کو اجاگر کرتی ہے۔ان کی تحقیق کے مطابق علامہ اقبال کی فکر اور شاعری کی تشکیل و ساخت میں قرآن کریم کی متعدد آیات کا کردار واضح ہے۔ گویا، قرآن، اقبال کی شاعری میں منعکس ہے۔ علامہ اقبال کی تعلیم کا آغاز بھی قرآن مجید سے ہوا اور خاتمہ بھی قرآن مجید پر ہوا۔ بچپن سے ہی نماز فجر کے بعد علی الصبح قرآن مجید کی تلاوت خوش الحانی کے ساتھ کرتے۔ مطالعہ قرآن ہی آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا اور آپ کا فکری راہنما بھی۔

صنعت تلمیح، ادب و شاعری کا وہ لازمی حصہ ہے جس میں شاعر تاریخی حوالوں کو ایجاز کے ساتھ اس طرح استعمال کرتا ہے کہ زمانہ حال، ماضی کے دریچوں سے فیضیاب ہو جائے۔ اس صناعی کا استعمال اردو فارسی میں کم و بیش تمام اعلیٰ پائے کے شعرائے نے کیا ہے مگر جس خوبصورتی سے قرآنی تلمیحات کا ورود، علامہ اقبال کی شاعری میں ہوا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی۔ انھوں نے بار بار اپنے کلام میں تلمیحات استعمال کے مسلمہ کو عمل پر ابھارا ہے اور قوم کی تشکیل نو کہ سلسلے میں، ان تلمیحات کو ماضی سے مثالیں بنا بنا کر قوم میں رجائیت اور امید پیدا کی ہے۔ اقبال کے ہاں تلمیحات کے عمدہ استعمال نے صرف ان کے کلام کو شعری کمال اور بلند پروازی ہے بلکہ قرآنی تلمیح نے ان کے تخیلات کی ترویج میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔

زیر نظر تحقیق میں قرآن کریم کی وہ تلمیحات جن کو اقبال نے اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے، کا تفسیری جائزہ لیا گیا ہے۔ بحث و تحقیق اس پہلو سے کی گئی ہے کہ علامہ اقبال کے اپنی تلمیحی شاعری سے امت کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں۔ یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ قرآن کریم کے تفسیری ادب میں اقبال کی قرآنی تلمیحات کے مفاہیم کی کیا مطابقت موجود ہے، جو اقبال کی شاعری کو قرآنی پیغام میں تبدیل کر دیتی ہے۔

معروف مصنف محمد بدیع الزماں، انہوں نے اقبال کا قران سے ربط کو اجاگر کرنے کے لیے 10 سے زائد کتابیں تحریر کی ہیں نے اپنی کتاب اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات میں بیان کے مطابق اقبال کا کلام قرآن کی منظوم تفسیر ہے۔ اقبال نے قرآنی آیات یا الفاظ کی منظوم ترجمانی اپنے کلام میں تین طریقوں سے کی ہے۔ ایک تو یہ کہ انہوں نے اپنے اشعار میں نہ صرف قرآن کے عربی متن کا کوئی لفظ یا قرآنی آیت کا کوئی فقرہ عربی متن میں استعمال کیا ہے بلکہ بہت سے قرآنی فقروں اپنے شعر کا مصرعہ بنا دیا ہے۔ دوسرا یہ کہ 400 سے زائد اشعار میں قرآنی آیات کی منظوم ترجمانی کر دی گئی ہے تیسرا یہ کہ قرآن کی مختلف سورتوں میں مختلف مقامات پر وارد بلاترکیب الفاظ کسی مخصوص نظم کا موضوع بنا دیا ہے۔ ''بال جبریل'' کی نظم ''الارض اللہ'' کے ہر مصرع پر کسی ایک آیت کا اطلاق بلکہ بہت سی آیات کا اطلاق ہوتا ہے:

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَک دیکھے [1]

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں تلمیح سورہ الم نشرح کی آیت:04 سے وارد ہوئی ہے۔ یہ سورہ مکی دور میں نازل ہوئی جب کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس شخص (رسول اللہ) کے ساتھ شہر مکہ میں گنتی کے چند آدمی ہوں اور اس کی شہرت ایک شہر کے چند گھرانوں تک محدود ہو، اس شخص کے ذکر کا آوازہ دنیا بھر میں کیسے بلند ہو سکتا ہے اور اسے ناموری کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ آج دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں مسلمانوں کی بستی موجود نہ ہو اور اللہ کے ساتھ رسول اللہ کا آوازہ بلند نہ کیا جاتا ہو۔ اقبال نے اس آیت کو اس برجستگی سے مصرع میں سمو کر اس بات کو ذہن نشیں کرایا ہے کہ یہ قرآن کی صداقت کا کھلا ہوا ثبوت

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، 2021ء ص236

ہے، اعلان نبوت کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے ابدی سچ واضح فرمادیا: وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ [1]، (ہم نے آپ کا ذکر آپ کے لیے بلند کر دیا ہے)۔

ضرب کلیم میں "مومن" کے عنوان سے مومن کی صفات بیان کرتے ہوئے علامہ اقبال کہتے ہیں:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن [2]

اس شعر میں سورۃ الفتح، آیت:29 کی طرف اشارہ ہے:

وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡۖ [3]

(۔۔۔وہ لوگ کفار کے لیے سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں۔)

زیر نظر تحقیق میں کلام اقبال میں موجود قرآنی تلمیحات کا تفسیری جائزہ اردو، عربی کی دو اہم اور معروف تفاسیر کی روشنی میں لیا گیا ہے۔ اور تفسیر الکشاف، از امام زمخشریالکشاف ایک اہم تفسیر ہے۔ تفسیر مفاتیح الغیب، از امام فخر الدین رازی جو تفسیر کبیر بھی کہلاتی ہے، اردو میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی "تفہیم القرآن" ہے جب کہ دوسری تفسیر مولانا امین احسن اصلاحی کی "تدبر قرآن" ہے۔ علامہ اقبال کے اردو کلام میں بانگ درا، بال جبرائیل، ضرب کلیم اور ارمغان حجاز شامل ہیں، جن میں موجود تلمیحات کا تفسیری جائزہ لیا گیا ہے۔

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ (Review of Literature)

زیر نظر موضوع تحقیق سے اہم تحقیقات کو دیکھا جائے گا جو گذشتہ ستر سال کے دورانیہ میں شائع ہو کر سامنے آئیں، تو نمایاں ترین درج ذیل کتب بنتی ہیں:

[1] سورۃ الم نشرح:04

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص558

[3] سورۃ الفتح:29

1۔ پہلی اہم کتاب، **ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی "اقبال اور قرآن"** ہے، جو کہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور کے زیر اہتمام ،1977ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب میں مصنف نے علامہ کا قرآن سے شغف، مختلف واقعات کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ علوم اسلامیہ میں اقبال کی مہارت کو واضح کیا گیا کہ کیسے عمدہ انداز سے علامہ قرآن سے استدلال کرتے ہوئے اپنی شاعری میں سمو دیا۔

علاوہ ازیں مصنف نے علامہ کی فارسی کتب شاعری میں جہاں جہاں علامہ نے قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے۔، اور خوبصورت تشریح کی ہے۔ ان کے بقول اقبال کے ہاں کہیں تمثیل بیان کی اور کہیں آیات کا براہ راست مفہوم بیان کیا گیاہے۔ اقبال کے بعض اشعار تو ہمیں واضح طور پر، قرآنی آیات کا ترجمہ محسوس ہوتے ہیں۔ اقبال نے قرآن سے جس طرح استنباط کیا ہے، مصنف نے ان سارے گوشوں کی وضاحت کرتے ہوئے دلیل کلام اقبال اور متن قرآن سے لی ہے جو کہ یقیناً ایک دقیق عمل ہے۔

2۔ پروفیسر محمد بدیع الزماں کی کتاب "اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات اور قرآنی آیات کے منظوم ترجمہ" جو دانش بک ڈپو فیض آباد یوپی سے سن 1995ء شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مصنف نے کلام اقبال سے 150 کے قریب تلمیحات کو ذکر کیا گیاہے۔ مختصر تعارف کے ساتھ پھر قرآن کی وہ آیات جس سے یہ تلمیحات اخذ کی گئی ہیں، کو بیان کیا گیاہے۔ مصنف پہلے اقبال کا شعر بیان کرتے ہیں پھر سورہ اور آیات کا نمبر بتاتے ہیں۔ اس اسلوب سے واضح ہوتا ہے کہ متعدد مقامات پر اقبال کا کلام قرآن سے ماخوذ ہے۔

3۔ محمد منظور عالم کی کتاب **"کلام اقبال میں قرآنی آیات واحادیث اور مذہبی اصطلاحات کا جائزہ"** جو انجم ترقی اردو ہند نئی دہلی سے 1995ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مصنف نے کلام اقبال میں وارد ہونے والی قرآنی آیات، احادیث اور مذہبی اصطلاحات کو جمع کیا ہے۔ اس سلسلہ میں مصنف نے غلام مصطفے خان کی کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ کلام اقبال میں جہاں احادیث کا تذکرہ ملتا یا مفہوم کا اشارہ ملتا ہے، وہ بھی بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں مذہبی اصطلاحات میں سے جو اقبال کے ہاں اپنے مفہوم میں مستعمل ہیں، ان کی تشریح کی گئی ہے۔

4۔ ڈاکٹر عارف بٹالوی کی "اقبال اور قرآن" جو پریس رابسین روڈ کراچی سے 1950ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کو مصنف نے چار موضوعات میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا موضوع ہے کلام اقبال و کلام خدا، 120 صفحات پر بحث کی گئی ہے۔ توحید اور شرک کے بارے

میں کلام کیا گیا ہے۔ کلام اقبال کے وہ اشعار جو توحید کے پرچار کرتے ہیں انکو بیان کیا اور قرآنی آیات کو سامنے رکھ کر فلسفیانہ تجزیہ کیا گیا ہے۔

اس میں مادہ پرستی ،رزق و عزت ،اللہ اور مومن ،دعا و دوا،راز بقا، تسخیر کائنات، ابلیس سے نجات ،یاد دہانی ، اعلان سعادت و نحوست، منزل بہ منزل ،خاک وطن ، عظیم قربانی ،مقام اکبر ،بت کدے، تلخیاں ،زیر و بالا، قلب و دماغ ،ہمارا ماضی ، جیسے عنوان باندھے ہیں۔ موصوف نے انتہائی مشکل زبان کا استعمال کیا ہے تاریخی و ادبی اشارے استعمال کیے ہیں عام قاری کو سمجھنا کافی مشکل ہے۔

5۔ غلام احمد پرویز کی **"اقبال اور قرآن"** جو طلوع اسلام ٹرسٹ ،لاہور سے 1975ء میں شائع ہوئی، کے تین ایڈیشن ہیں۔ مصنف نے پہلے 40 صفحات اقبال، قرآن، اور تلمیحات اقبال کو دیے ہیں۔ مصنف نے ان اشعار اقبال کا ذکر کیا ہے جو قرآنی آیات کا مفہوم رکھتے ہیں۔ تاہم مصنف نے کوئی واضح بحث تلمیح پر نہیں کی۔ تاہم فکر اقبال ،فلسفہ خودی، اور دیگر پر کھل کر اظہار خیال کیا ہے، جو بہت مفید ہے۔

6۔ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی کی **"مطالعہ تلمیحات و ارشادات اقبال"** جو اقبال اکادمی لاہور سے، 1994ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مصنف نے کلام اقبال میں استعمال ہونے والی جملہ تلمیحات کا ذکر کیا ہے ۔ ان میں اقبال کے ہاں موجود قرآنی تلمیحات ، تلمیحات حدیث ،فلسفانہ تلمیحات ، تاریخی تلمیحات اور سیاسی تلمیحات قابل ذکر ہیں۔ اقبال کا فارسی کلام میں موجود قرآنی تلمیحات کے سلسلے میں پہلے وہ شعر لاتے ہیں، پھر قرآنی آیات بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد تفصیل کے ساتھ اقبال کی تلمیحات بیان کرتے ہیں۔

7۔ ڈاکٹر علی شریعتی کی "مصلح قرآن آخر" جس کا ترجمہ کبیر احمد جائسی، نے کیا اور اس کتاب کو اقبال انسٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی، نے سری نگر سے 1972ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں مصنف نے علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر کا مجموعی جائزہ لیا ہے۔ علامہ اقبال کے اس کردار کا جائزہ لیا گیا ہے جس کے مطابق علامہ موصوف نے قرآن و حدیث کے ذریعے مسلمانوں کے جس طرح بیدار

کرنے کی کوشش کی۔ مصنف نے علامہ کو امام غزالی، مولانا رومی، سید جمال الدین افغانی اور مفتی محمد عبدہ جیسی انقلابی شخصیات میں شامل کیاہے جن کی کوششوں سے ہر دور میں اسلام کاخوبصورت چہرہ نمایاں ہو تارہاہے۔

8۔ **ابو محمد مصلح، کی "قرآن اور اقبال"** جو اقبال صدی پبلیشرز نئی دہلی سے 1977ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مصنف نے علامہ اقبال کی تحریر، اور خطبات میں جہاں جہاں قرآن سے استفادہ موجود ہے، کو موضوع بنایاہے۔ علاوہ ازیں اقبال کے ساتھ مصنف کی ملاقات اور تحریک قرآن کو زیر بحث لایا گیاہے۔

تحقیقی مقالہ جات:

1۔ مقالہ برائے، پی ایچ ڈی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد 2017ء۔ مقالہ نگار **لبنٰی کوثر، "اقبال اور قرآن کے موضوع پر لکھی جانے والی کتب کا جائزہ"**۔ اس مقالے میں اقبال اور قرآن کے موضوع پر لکھی جانے والی مشہور کتب کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔ ان کتب میں موجود اقبال کا فہم قرآن جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔ غلام مصطفی خان کا منہج تحقیق کو بیان کیا گیا جو اقبال اور قرآن کے موضوع پر لکھی جانے والی سب سے مشہور اور مستند کتاب ہے۔ اس کے علاوہ غلام پرویز احمد کی کتاب میں فہم اقبال کو اپنی کتاب کا موضوع بنایاہے۔ دونوں کتب کا آپس میں تقابلی مطالعہ کیا گیاہے۔ مقالہ کے شروع میں اقبال کے قرآن سے تعلق کو بیان کیا گیاہے، ان کے اس فکری احساس جو قرآن سے ماخوذ ہے، بیان کیا گیاہے۔

2۔ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جامعہ اسلامیہ، کراچی، 2020ء۔ مقالہ نگار **ریحان، محمد "علامہ اقبال کی اردو شاعری میں قرآنی افکار کا مسلم معاشرے پر اثرات"**۔ اس مقالے میں علامہ اقبال کی سوانح حیات اور ان کی علمی اور دینی خدمات کو پیش کیا گیاہے۔ علامہ اقبال کے خاندان کا قبول اسلام اور پھر علامہ اقبال کی ابتدائی تعلیم اوران کی اعلی تعلیم اس کو مفصل بیان کیا گیا۔ مقالے کے دوسرے باب میں اقبال کے کلام میں قرآن، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تصوف کے اثر پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اقبال کی شاعری میں جہاں جہاں قرآن سے استفادہ کیا گیاہے، مفصل بیان کیا گیا۔ اس کے بعد علامہ کی شاعری سے مسلم معاشرے پر جو فکری اثرات مرتب ہوئے ان کا جائزہ لیا گیاہے اور آج ہم ان سے کیسے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں اس کو مختصر بیان کیا گیاہے۔

3۔ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، بمبئی یونیورسٹی، 2003ء۔ مقالہ نگار **عطا الرحمان صدیقی ندوی، "اردو شاعری میں اسلامی تلمیحات** "۔اس مقالے میں محقق نے اردو ادب میں تلمیحات کا استعمال کس کس معنی و مفہوم میں ہوتا ہے، کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد تلمیحات کی اقسام اور ان کے مآخذ کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آخری چار ابواب میں اسلامی تلمیحات؛ان کی تعریف اور ان کے مآخذ کی تحقیق ہے۔اس ذیل میں قرآنی تلمیحات،احادیث،تاریخی روآیات و تصوف سے ماخوذ تلمیحات کو بیان کیا اور اردو شاعری میں ان کے استعمال سے مفصل بحث کی گئی ہے۔

ریسرچ آرٹیکلز:

1۔ نوید حسن **"اقبال کے کلام میں پانی قرآنی پیغمبرانہ تلمیحات"** اردو ریسرچ جنرل، شمارہ 11،(2017) صفحہ 160-135 جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے،اس مقالہ میں کلام اقبال میں مذکور ایسی تلمیحات کا تجزیہ ہے جو ایسے پیغمبران خدا سے متعلق ہیں جو قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔

2۔ عمران عاکف، **"اردو تلمیحات کا حکایتی پس منظر"** اردو ریسرچ جنرل، شمارہ 11،(2017) صفحہ 127-133 اس مقالے میں اردو ادب میں تلمیحات کا آغازوارتقاء بیان کیا گیاہے۔اس کے بعد تلمیحات کی ضرورت اور اہمیت اس کو تاریخ کے پس منظر میں بیان کیا گیاہے۔مقالہ نگارنے قرآن مجید میں مذکور انبیاء کے واقعات سے اخذ شدہ تلمیحات پر بحث کی ہے جو مختلف علوم اور زبانوں میں رواج پائیں۔ محقق کے مطابق اردو ادب میں تلمیح کا آغاز اٹھارویں صدی میں ہوا۔ یہ کسی بھی زبان کے ادب کا حسن ہے اور شاعروں کے لیے اپنی بات پہنچانے کا آسان ذریعہ بھی ہے۔

3۔ صبازاہد "اقبال اور قرآن عہد حاضر میں" ترجیحات جلد 3 شمارہ 4 نومبر 2023 صفحہ 44-49 میں شائع ہوا۔اس مقالے میں اقبال کی شاعری میں مذکور قرآنی آیات کو زیر بحث لایا گیاہے۔اقبال کا قرآن سے لگاؤ بیان کرتے ہوئے اقبال کی فکر کا ماخذ قرآن مجید کو قرار دیاہے۔

5۔ **محمود چوہدری، "اقبال کی شاعری کا قرآن مجید کی روشنی میں تنقیدی جائزہ"** جہان تحقیق، جلد ،5 شمارہ 3 2023 میں شائع ہوا ہے۔اس مقالے میں علامہ کی شاعری میں مستعمل قرآنی آیات کو بیان کیا گیا ہے۔ آیات کا اردو ترجمہ اور اس کا حوالہ بھی بیان کیا گیا ہے۔یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ علامہ اقبال، قرآنی آیات کو اپنی شاعری میں بیان کر کے مسلمانوں کے کردار اور اخلاق کو مضبوط بنانے کی کوشش میں کامیاب ٹھہرے ہیں۔

جواز تحقیق(Rationale of the Study)

مقالہ نگار اقبالیات کے علوم کے ساتھ دلچسپی رکھتا ہے اور اس موضوع پر کام کرنا چاہتا ہے اس لیے اس موضوع کو منتخب کیا۔علامہ محمد اقبال کا قرآن سے مضبوط تعلق تھا یہی وجہ ہے کہ صرف اقبال اور قرآن کے عنوان سے متعدد کتب تحریر کی جا چکی ہیں پھر ان کتب پر بھی کئی تحقیقی مقالاجات لکھے جا چکے ہیں۔ مگر علامہ کے اردو کلام میں موجود قرآنی آیات کا تفصیلی جائزہ نہیں لیا گیا اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ تلمیحات قرآنی کا منتخب تفسیر کی روشنی میں جائزہ لینا یہ مقصود ہے کہ اقبال کا فہم قرآن کس طرح روایتی تفسیر سے مختلف اور منفرد ہے خود تلمیحات قرآن میں اقبال کے پیغام کو موثربنانے میں کیا کردار ادا کیا ہے۔

مسئلہ تحقیق کی وضاحت(Statement of problem)

تلمیحات اقبال پر کثیر تحقیقی مواد موجود ہے۔کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات پر مختلف کتب کی صورت میں بحث کی گئی ہے. مگر جو کام ابھی تک نہیں ہوا وہ یہ ہے کہ ان تلمیحات کا تفسیری جائزہ اب تک نہیں لیا گیا۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ اقبال کے فہم قرآن سے راہنمائی لینے کے لیے اس سلسلہ میں ان کے انفرادیت کا تجزیہ کیا جائے۔کلاسیکی تفاسیر کا مطالعہ کر کے یہ جائزہ لیا جائے کہ اقبال کے ہاں قرآنی تلمیحات کے اسباب ورود اور ان کے تفسیری فہم سے کیا نئے امکانات معانی کھلتے ہیں اور مزید یہ کہ نوجوان نسل کی بیداری کے لیے قرآنی تلمیحات کا کردار کیا ہے۔

مقاصدِ تحقیق(Objectives of the Study)

1. کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا اس پہلو سے جائزہ لینا کہ ان کے اسباب ورود کیا ہیں۔
2. قرآنی تلمیحات کے اقبال ہاں مفاہیم، کس حد تک تفسیری فہم سے مطابقت رکھتے ہیں۔
3. امت مسلمہ کی بیداری کے حوالے سے اقبال کی کاوشوں میں قرآنی تلمیحات کا کردار کیا ہے۔

سوالاتِ تحقیق (Research questions)

1. علامہ اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات کا شامل ہونا کونسے اسباب و محرکات کا مرہون ہے؟
2. کلام اقبال میں تلمیحات قرآنی کے مفاہیم، روآیتی ودرآیتی معیار کے اعتبار سے، روآیتی تفسیر قرآن سے کس قدر مطابقت رکھتے ہیں؟
3. قران مجید کی تفسیر کو سمجھنے میں تلمیحات کا کردار کیا ہے؟

تحدید موضوع (Delimitations of the Study)

زیرِ نظر تحقیق کو علامہ اقبال کے اردو کلام میں ایسی قرآنی تلمیحات تک محدود رکھا گیا ہے، جو قرآنی متن سے ماخوذ ہیں۔ فہم قرآن کے ذرائع کے طور پر دو عربی تفاسیر اور دو اردو تفاسیر کا انتخاب کیا گیا ہے۔

منہج تحقیق (Research methodology)

- موضوع کے لئے تجزیاتی تحقیق (Analytical study) اور تحلیلی تجزیہ (Content Analysis) کا طریقہ اپنایا گیا ہے۔ (Qualitative approach) کے ساتھ یہ تحقیق مکمل کی گئی ہے۔
- عربی زبان کی اصطلاحات اور مشکل الفاظ کے مفاہیم کے لیے، علامہ الزمخشری کی کتاب اساس البلاغہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

❖ علامہ اقبال کے ہاں مستعمل تلمیحات قرآنی کا تفسیری مطالعہ معروف عربی تفسیر امام رازی،(1210-1150) کی مفاتیح الغیب سے کیا گیا ہے۔ قرآنی الفاظ و تراکیب کے بلاغت کے لحاظ سے تشریح و تفہیم کے لیے امام زمخشری(1143-1075) کی تفسیر الکشاف کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

❖ جب کہ تلمیحات قرآنی کی اردو میں تفہیم و تشریح کے سلسلہ میں تفہیم القرآن، از سید ابوالاعلیٰ مودودی(1903-1979) کو بنیاد بنایا گیا ہے اور تدبر قرآن از مولانہ امین احسن اصلاحی(1904-1997) سے حسب موقع استفادہ کیا گیا ہے۔

❖ کلام اقبال کی تفہیم کے لیے علامہ غلام رسول مہر اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شروح اقبال سے استفادہ گیا ہے۔

منتخب تفاسیر برائے تفسیری جائزہ تلمیحات اقبال:

1۔ تفسیر **مفاتیح الغیب، از امام فخر الدین رازی،** جو تفسیر کبیر بھی کہلاتی ہے،(دار الفکر 1401ھ / 1981ء)۔ یہ امام فخر الدین رازی کا ایک شاندار کام ہے، جس میں عقلی اور علمی مباحث پر زور دیا گیا ہے اور معاشرے میں پھیلے باطل فرقوں کے عقائد کی تردید کی گئی ہے۔ یہ ایک منفرد قسم کی تفسیر ہے جو قرآنی علوم و معانی، عربی لسانیات، تقابلی فقہ، ارسطوی اور اسلامی فلسفہ، جدلیاتی الٰہیات، روحانیت اور تصوف کا مجموعہ ہے۔

2۔ تفسیر **الکشاف، از امام زمخشری،**(دار المعرفہ - بیروت، لبنان 1407ھ /1987ء)۔ الکشاف ایک اہم تفسیر ہے، جو 12ویں صدی میں لکھی گئی تھی۔ یہ ایک بنیادی ماخذ ہے، جسے بہت سے علماء نے اہمیت دی ہے۔ یہ اپنی گہرے لسانی تجزیے، قرآنی کلام کی برتری کی وضاحت، اور قرآنی طریقہ کار کے ذریعے معنی کی ترسیل، ادبی تراکیب اور مجازی زبان کے استعمال کے لیے مشہور ہے۔ یہ تفسیر قرآنی معجزات اور ان کے بلاغی معانی کو ظاہر کرتی ہے، اسی لیے یہ تفسیر علماء میں ایک اعلیٰ مقام اور مقبولیت رکھتی ہے۔

3۔ تفسیر **تدبر قرآن، از مولانا امین احسن اصلاحی** (فاران فاؤنڈیشن لاہور- پاکستان، نومبر 2009ء)۔ تدبر قرآن ایک عظیم الشان تفسیر ہے۔ اس منفرد کام کو مکمل ہونے میں 22 سال لگے ہیں۔ مولانا نے قرآن کی آیات کے پوشیدہ اور حقیقی معنی جاننے کی کوشش کی ہے اور جہاں وہ کچھ آیات کی تفہیم میں انصاف نہ کر سکے، وہاں انہوں نے کھلے عام اعتراف کیا ہے۔ اس تفسیر میں قرآن کی

سورتوں کو سات مختلف گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جو کہ یہ تحریر مختصر، موضوعاتی اور ساختی طور پر ہم آہنگ ہے۔ اس شاہکار کو ہر اس شخص کو ضرور پڑھنا چاہیے جو قرآن کی روح کو جاننا چاہتا ہے۔

4۔ تفسیر **تفہیم القرآن، از سید ابو الاعلیٰ مودودی** (ترجمان القرآن، لاہور)۔ تفہیم القرآن موجودہ دور میں قرآن پاک کی سب سے مشہور اور معروف تفسیرات میں سے ایک ہے اور بہتر سمجھنے کے لیے اسے کئی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب پر کچھ تنقیدی مشاہدات بھی کیے گئے ہیں، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ، علماء نے ان کا مناسب جواب دیا ہے۔ یہ علمی تفسیر قارئین کے ذہن اور دل پر گہرے اور دیرپا اثرات چھوڑتی ہے۔ تفہیم القرآن قرآن کی سمجھ کے لیے ایک بے پناہ دولت، علم کا ایک وسیع خزانہ، اور قرآن کی بعض سماجی، سیاسی، اقتصادی اور قانونی تعلیمات کی ایک قیمتی وضاحت ہے۔ لیکن جو چیز اس کتاب کو نایاب بناتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ قرآن کو ایک ایسی کتاب کے طور پر پیش کرتی ہے جس پر عمل کرنا ہے، ایک مشن جس کے لیے جینا ہے، اور ایک فرض جسے قاری نظر انداز نہیں کر سکتا اور ملتوی نہیں کر سکتا۔ یہ کتاب قرآنی اصولوں کو جدید دور کے مسائل کے حل پر لاگو کرتی ہے اور حیرت انگیز طور پر ظاہر کرتی ہے کہ قرآن کس قدر جدید اور عصری ہے اور یہ وقت کے ساتھ کس طرح یقینی طور پر چلتا ہے۔

ابواب وفصول کی تقسیم وترتیب (Chapterization of research theme)

مقالہ ہذا کا موضوع کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا تفسیری جائزہ ہے اس کے تین ابواب ہیں ہر باب دو فصول پر مشتمل ہے۔ باب اول میں علامہ اقبال کے قرآن کے ساتھ فکری وروحانی تعلق کی تحقیق ہے۔ اس کی دو فصلیں ہیں پہلی فصل علامہ اقبال کا قرآن سے شغف بحث کرتی ہے اور دوسری فصل علامہ اقبال کے فکری ماخذ قرآن مجید اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی تحقیق پر مبنی ہے۔

دوسرے باب دو فصول پر مشتمل ہے۔ اول میں تلمیحات کا تعارف اوران کا ان کی ادبی اور شعری ضرورت اہمیت کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کی صورتوں کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا تفصیلی تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس کی دو فصول ہیں، جن کی تقسیم کلام اقبال میں موجود تلمیحات کے اقسام اور صورتوں کی بنیاد پر کی گئی ہے۔

پہلی فصل تلمیحات قرآنی بااعتبار لفظی کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے جن کی تعداد چالیس سے پچاس کے درمیان ہے۔ دوسری فصل میں پر تلمیحات قرآنی بااعتبار معنی و مفہوم آیات کا تفسیر جائزہ لیا گیا ہے جس میں منتخب تفاسیروں کی روشنی میں اقبال کے ہاں جو آیات اپنے اشعار میں استعمال ہوئے ہیں ان کا تحلیلی تجزیہ کیا گیا ہے۔

باب دوم: علامہ اقبال کا قرآن مجید کے ساتھ فکری تعلق

فصل اول: علامہ اقبال کا مطالعہ قرآن

فصل دوم: فکر اقبال کا بنیادی ماخذ قرآن

فصل اول: علامہ اقبال کا مطالعہ قرآن

مطالعہ اقبال سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کی فکر کا مرکز قرآن ہے اور ان کے افکار کا ماخذ قرآن ہے۔ قرآن کو انھوں نے اپنی شاعری کا مرکز بنایا وہ بچپن سے ہی آسا نقلاب آفریں کتاب سے وابستہ تھے۔ قرآن مجید کے آفاقی پیغام سے امت اسلامیہ کے دل و دماغ کو روشن کرنے کے لیے انھوں نے اپنی نظموں میں قرآنی آیات کہ فلسفے کو سمو دیا۔ علامہ کو قرآن حکیم سے گہرا لگاؤ تھا اور وہ چاہتے تھے کہ ان کی طرح اور دوسروں کی زندگی بھی اس کی عظمت سے مزین ہو۔

علامہ محمد اقبال کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا ان کا تعلق شیخ سپرو خاندان سے تھا آپ 1837ء کو پیدا ہوئے اور 21 ستمبر 1930ء کو وفات ہوئی[1] ان کا تعلق شہر سیالکوٹ کے نامور علما سے تھا جن سے یہ علم کی پیاس کو بجھایا کرتے تھے۔ اقبال کو چار سال کی عمر میں 1881ء قریبی ایک مدرسے میں قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا اس مدرسے میں قرآن مجید کی بنیادی تعلیم دی جاتی تھی۔ علامہ نے وہاں پر ایک سال کی تعلیم مکمل کی۔

ایک دن شہر کے ایک نامور عالم شیخ نور صاحب کے ہاں تشریف لائے۔ سید میر حسن (1844ء–1929ء) عالم قرآن، محدث اور عربی زبان کے استاد تھے[2] انہوں نے محمد اقبال کو دیکھا تو جان گئے کہ یہ غیر معمولی بچہ ہے انہوں نے شیخ صاحب سے کہا کہ اس بچے کو مدرسے کی تعلیم کے ساتھ جدید تعلیم سے بھی مزین کیجیے گاہ کچھ عرصے بعد اقبال کو مولانا سید میر حسن کے سپرد کر دیا گیا۔[3]

یہاں سے علامہ کی دینی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا ہوا۔ اقبال اپنے ابتدائی تعلیم کے بارے میں بیان فرماتے ہیں:

---

[1] جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، سنگ مل پبلی کشنز، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور بار اول، 2004، ص، 32

[2] سلطان محمود حسین، سید، علامہ اقبال کے استاد شمس العلماء مولوی سید میر حسن (حیات و افکار)، اقبال اکادمی پاکستان، طبع دوم، 2007، ص 26۔

[3] جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، ص، 50

پنجاب میں ان دنوں علم و حکمت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ میرے والد کی بڑھی خواہش تھی کہ مجھے تعلیم دلوائیں ۔انھوں نے اول تو مجھ محلے کی مسجد میں بیٹھا دیا۔ پھر شاہ صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔ [1]

مولانا عبد المجید سالک نے اپنی کتاب ءذ کر اقبال ءمیں علامہ کی تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں:

شیخ نور محمد نے مولانا میر حسن کے ارشاد پر اقبال کو اسکاچ مشن ہائی سکول میں داخل کروایا۔ اقبال اس سے قبل دینی تعلیم حاصل کر رہے تھے اور سکول میں داخل ہونے کے بعد مولانا سے برابر پڑھتے رہے۔ [2]

گویا، علامہ محمد اقبال کی بنیادی دینی تعلیم میں مولانا غلام میر حسن جیسے جید علماء کا بنیادی کردار ہے۔ اقبال نے 1891ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مڈل امتحان پاس کیا۔ والد گرامی اور استاد میر حسن نے قرآن کریم کے ساتھ اقبال کا جو تعلق قائم کیا تھا وہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا علامہ کے والدین اور اساتذہ دونوں کی یہ خواہش اور تمنا تھی کہ علامہ جدید اور قدیم دونوں علوم میں مہارت حاصل کر کے دین اسلام کی خدمت کریں۔ علامہ نے یہی ذمہ داری بہت احسن انداز سے نبھائی۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی میٹرک اور پھر انٹر کے امتحانات اعزازی نمبروں سے 1897ء میں پاس کیے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے فلسفہ میں ماسٹر کیا۔ اس کے بعد علم کی پیاس کو بجھانے کے لیے میونخ یونیورسٹی جرمنی چلے گئے جہاں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری 1905 تا 1908ء حاصل کر کے وطن واپس لوٹے۔

قرآن سے اقبال جذباتی وابستگی کے بارے میں بہت سے محققین نے تزکرہ کیا ہے۔ اور اقبال کے بچپن کے واقعات وہ صبح کے وقت بلند آواز سے ،کلام الٰہی پڑھنا ان کی عادت تھی۔ میرے والد ہمیشہ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے گھر آتے اور میں وہاں تلاوت کرتا، ایک لمحے کے لیے رک جاتے اور دیکھتے۔ ایک دن وہ بیٹھ گئے اور کہا:

آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ میں اس غیر معمولی سوال سے حیران ہوا، اور تعجب بھی ہوا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں قرآن پڑھ رہا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ میں قرآن پڑھ رہا ہوں۔ میں خاموش رہا، میرے والد صاحب اٹھ کر چلے گئے، اس واقعہ کے ایک دن بعد انہوں نے مجھے بلایا اور کہا: ''بیٹا، قرآن کو صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس

---

[1] نیازی، سید نذیر، اقبال کے حضور، اقبال اکادمی پاکستان، 1971 اشاعت اول، ص 94

[2] عبد المجید سالک، مولانا، ذکر اقبال، بزم اقبال لاہور، 1983، ص، 14

پر یہ نازل ہوا ہے، جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ قرآن پاک آپ کے لیے اترا ہے۔ آپ قرآن پاک کو پوری طرح سمجھ نہیں پائیں گے اللہ خود آپ سے بات کرتا ہے تو یہ آپ کی رگوں میں کھنچا جاتا ہے۔[1]

علامہ کا یہ شعر دیکھیں:

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہوں نزول قرآن

گرہ کشا ہے رازی نہ صاحب کشاف[2]

گویا قرآن پڑھنے والے انسان کو قرآن اپنے اوپر طاری کر لینا چاہیے اور قاری نظر اتا ہے حقیقت میں ہے قرآن کا منظر اور سماں بندھ جائے۔

علامہ اپنے اشعار میں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ نزول قرآن کا ہدف اور اس میں چھپا تجسس، قرآنی فکر اور اس کے ثمرات اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ انسان کے دل و دماغ میں نزول قرآن کا خیال اور احساس نہ ہو۔۔

ابوالحسن علی ندوی ایک مشہور عالم دین تھے اور فکر اقبال سے ان کا خاص ربط تھا ان کی کتابوں میں اقبال کے اشعار بہت سے مقامات پر نقل ہوتے ہیں۔ انہوں نے قرآن سے اقبال کے تعلق کو بیان فرمایا اور اپنی کتاب میں اقبال کی شخصیت آپ کے کلام پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ عوام کے لیے اقبال فہمی کے دروازے کھولے، اقبال کے کلام کو نثر کی شکل میں اپنی کتابوں میں بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

علامہ اقبال کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر قرآن پاک کا نظر آتا ہے اقبال قرآن سے بے حد متاثر تھے۔[3]

ابو محمد مصلح نے کتاب "قرآن اور اقبال" میں اقبال کی شاعری کے مقصد کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

بے شک اقبال عوامی زندگی میں ایک شاعر کے طور پر نمودار ہوئے لیکن بہت جلد ان کی شاعری نے ایک پیغام کی شکل اختیار کر لی اور اقبال کی نثر، شاعری، فلسفہ، تصوف، قوم پرستی جو کچھ بھی ہو، وہ آخر تک پیغام ہی رہا۔ وہ قرآنی تھا اور اقبال کی اپنی نظموں میں ہدف قرآن تھا۔[4]

---

[1] غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر، اقبال اور قرآن، جو ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، 1977ء ص، 15۔

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص60

[3] ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، نقوش اقبال, مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1983، ص62۔

[4] ابو محمد مصلح، قرآن اور اقبال، اقبال صدی پبلیکیشنز، نئی دہلی، طبع اول سن 1977، ص25

ایک حقیقت ہے کہ قرآن پاک انسانی زندگی کو سنوارنے کا بہترین آئینہ ہے اگر کوئی اسے سنجیدگی سے لے تو یہ انسان کی زندگی کے لیے مکمل رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ علامہ اقبال نے اسلامی شعور کو پروان چڑھانے اور مسلمانوں کا اعتماد بحال کرنے کے لیے خودخود شناسی کے تصور عام کیا۔ انہوں نے اپنی نظموں میں شاہین اور عقاب جیسے پرندے کو بطور استعارہ استعمال کر کے بلند پروازی اعلی منزل پر نظر رکھنے کا سبق دیا ان کے خیال میں ایک سچے مسلمان اور حقیقی مومن کا تصور ہی قرآن کے بغیر ناممکن ہیں علامہ اقبال کو سوچنے پر مجبور کیا اور مومن کی حقیقی تصویر بیان کی۔:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن[1]

در حقیقت خدا کے ہر سچے اور وفادار بندے کی زندگی قرآن کی عملی تفسیر نظر آنی چاہیے۔

علامہ اقبال کا فہم قرآن.

ابو اللیث صدیقی، کی کتاب ملفوظات اقبال میں سے کہ، ایک واقعہ پیش کرتے ہیں کہ ایک دفعہ قرآن سے متعلق علامہ اقبال سے پوچھا گیا کہ ایک طرف تویَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ[2] فرمایا گیا ہے دوسرا ارشادفَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ[3]موجود ہے دوسری طرف بہت ساری آیات کو تشابہات کہہ کر وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ[4]مہر لگا دی گئی ہے۔ ظاہری نگاہ اس میں تضاد نہیں دیکھتی؟۔۔۔اس سوال کا جواب اس موقع پر ملا جب علامہ اقبال نے محمد حسین عرشی کو خود ایک اپنا واقعہ سنایا انہوں نے بتایا کہ مجھے لندن میں قیام کے دوران ایک صاحب نے بطور مہمان مدعو کیا چند دوستوں کے ہمراہ ماہر حجریات کو بھی بلایا۔ چنانچہ، ہم سمندر کے ساحل پر سیر کرتے ہوئے پہنچ گئے۔ماہر حجریات نے ساحل سے ایک چھوٹا سا سنگ پارہ اٹھایا، اور ان کی عمری سیر کا بیان شروع کیا۔، جس دوران انہوں نے حجر کے رموز، اسرار، اجزائے اولیہ، رنگ و صلابت، وصورت نوعیہ کے تفصیلی اسباب، تاثیرات اور خواص بیان کی۔

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال، ص 21

[2] سورہ القمر: 22

[3] سورۃ الأعراف: 52

[4] سورۃ آل عمران: 7

یہ تمام باتیں میرے لیے یعنی اس علم سے ناواقف شخص کے لیے پردہ خفائی تھیں، جبکہ اس شخص کے لیے جوراسخ فی العلم تھے واضح تھی۔ اس طرح، قرآن مجید میں مفصل بھی بیان ہے متشابہ بھی، جو انسان کے ذوق، وجدان، اخلاق، اور روحانیت ترقی کرتے جائیں گے اس پر قرآن کے متعلق آشکار ہوتے جائیں گے۔[1]

علامہ محمد اقبال کے نزدیک اگر ہم قرآن کو اس طرح سمجھنے کی کوشش کریں تو قرآن ہم پر اپنے راز ظاہر کرے گا۔

علامہ اقبال کے انگریزی خطبے Reconstruction of Religious Thought in Islam جو مدراس علی گڑھ اور حیدرآباد میں دیے گئے تھے، اردو ترجے کی صورت میں بھی شائع ہو چکے ہیں، خطبات کے دیباچے میں علامہ اقبال کا تصور موجود ہے کہ قرآن پاک کا رحجان زیادہ تر اس طرف ہے فکر کے بجائے عمل پر زور دیا جائے بعض طبائع میں قدرتا یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ باطن کے کہ اس مخصوص نوع جو مذہب کے لیے ایمان ویقین کا آخری سہارا ہے ویسے ہی اپنے تجربات میں لائیں جیسے زندگی کے دوسرے احوال کو اس کائنات کو جسے ہم اپنے آپ سے بیگانہ پاتے ہیں اپنے اندر جذب کر لیں رہا عہد حاضر کا انسان اسے محسوس فکر کی عادت ہوگئی ہے جس کا تعلق اشیاء اور حوادث کی دنیا ہے۔

یہ وہ عادت ہے جس کی اسلام نے اور نہیں تو اپنی تہذیبی نشو نما کے دور میں حمآیت کی ہے لہذا وہ ان واردات کا اور بھی اہل نہیں رہا بلکہ انہیں شک وشبہ سے دیکھتا ہے کیونکہ ان میں ہم والتباس کی پوری پوری گنجائش ہے صحیح قسم کی سلسلہ ہائے تصوف تو بے شک ہم مسلمانوں میں مذہبی احوال اور ورادت کی تشکیل اور رہنمائی میں بڑی قابل قدر خدمات انجام نہیں ہیں لیکن آگے چل کر ان کی نمائندگی جن کے ہاتھ میں آئی ہے وہ عصر حاضر کے ذہن سے بالکل بے خبر ہیں اس لیے وہ موجودہ دنیا کے افکار و نظریات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ وہ آج بھی انہی طریقوں سے کام لے رہے ہیں جو ان لوگوں کے لیے وضع کیے گئے تھے جن کا تہذیبی مطمع نظر بعض اہم پہلوں سے پہلوں سے مختلف تھا قرآن پاک کا ارشاد ہے:

مَّا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَٰحِدَةٍ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌۢ بَصِيرٌ [2]

(تم سارے انسانوں کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ جلا اٹھانا تو (اس کے لیے) بس ایسا ہے جیسے ایک متنفس کو (پیدا کرنا اور جلا اٹھانا)۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ اس آیت کا اشارہ جس حیاتی وحدت کی طرف ہے اگر آج اسے تجربے میں لایا جائے تو کسی ایسے منہاج کی ضرورت ہو گی جو عضیاتی اعتبار سے تو زیادہ سخت یعنی شدید بدنی ریاضت کا طلب نہ ہو بلکہ

---

[1] ابو اللیث صدیقی، ملفوظات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 1977، ص 62-64

[2] سورہ لقمان: 28

نفسیاتی اعتبار سے اس کے ذہن کے قریب تر ہو جو گویا محسوس کا خبر ہو چکا ہے تا کہ وہ اسے آسانی سے قبول کر لے لیکن پھر جب تک ایسا کوئی منہاج متشکل نہیں ہو جاتا یہ مطالبہ کیا غلط ہے کہ مذہب کی بدولت جس قسم کا علم حاصل ہو تا ہے اسے سائنس کی زبان میں سمجھا جائے چنانچہ یہی مطالبہ ہے ان خطبات میں جو مدراس مسلم ایسوسیشن کی دعوت پر مرتب ہوئے۔[1]

علامہ اقبال کے ان سات خطبات کو علامہ کی فکر کا نچوڑ کہا جاتا ہے اور اس کے شروع میں ہی علامہ نے قرآن پاک سے بات شروع کرتے ہیں وہ مسلمانوں کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں قرآنی تعلیمات کا زیادہ تر تعلق عمل سے ہے اور اگر ہم عمل نہیں کرتے تو ہم اللہ کے احکامات کے روگردانی کر رہے ہیں۔ وہ نوجوانان ملت کو یہ پیغام دے رہے ہیں اگر دنیا میں کامیابی اور کامرانی حاصل کرنی ہے قرآن کا مطالعہ بہت ضروری ہے کیونکہ آج کے دور میں تمہارے رہنمائی کرنے کے لیے ایسے ذہن موجود نہیں ہیں جو موجودہ افکار و نظریات سے اچھی طرح واقف ہوں آج کا دور سائنس کا دور ہے اور مذہبی علم کو سائنس کی زبان میں سمجھنے کی ضرورت رہے ہے اور یہ اسی وقت ہی ممکن ہو گا جب ہم عملا مذہبی اور سائنسی دونوں تعلیم سے اچھی طرح واقف ہوں گے تبھی جا کے دنیا میں ہم انسانوں کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

اسی طرح محمد منظور عالم اپنی کتاب "کلام اقبال میں قرآنی آیات واحادیث اور مذہبی اصطلاحات کا جائزہ" میں بتاتے ہیں کہ:

> "وہ مطالب قرآن پر ان کی نظر ہمیشہ رہتی تھی قرآن پاک کو پڑھتے وقت ایک ایک لفظ پر غور کرتے ہیں بلکہ نماز کے دوران میں جب باآواز بلند قرآن پڑھتے تو وہ آیات قرآن پر فکر کرتے ان سے متاثر ہو کر رو پڑھتے تھے ڈاکٹر صاحب کی آواز ایک خاص کشش تھی جب وہ قرآن با آواز بلند پڑھتے تو سننے والے والوں کے دل پگھل جاتے تھے۔"[2]

ان توضیحات سے واضح ہو تا ہے کہ علامہ کا قرآن سے شغف ایک الگ نوعیت کا تھا۔ وہ اس کتاب کو زندہ جاوید سمجھتے تھے وہ قرآن کے منشا کے مطابق قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ ان کے خیال میں اگر مسلمان قرآن پاک کو اس کے معنی اور مفہوم کے ساتھ نہیں سمجھے گے اللہ اور اس کے رسول کی منشا تک نہیں پہنچ سکتے ہر مسلمان کو قرآن پاک تدبر کے ساتھ سمجھنا چاہیے۔

علامہ اقبال کے خادم خاص، علی بخش کا بیان ہے:

---

[1] نذیر نیازی، سید، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، بزم اقبال، لاہور، 1986، ص 40

[2] محمد منظور، عالم، کلام اقبال میں قرآنی آیات واحادیث اور مذہبی اصطلاحات کا جائزہ، انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی، 1995ء، ص 42

صبح کی نماز اور قرآن خوانی مدتوں سے ان کا معمول تھا قرآن با آواز بلند ہوتا ہے آواز ایسے شیریں تھی کہ ان کی زبان سے قرآن سن کر پتھر کے دل پانی اور ہو جاتے تھے بیماری کے دنوں میں جب قرآن پڑھنا چھوٹ گیا تھا نماز بھی کم پڑھتے تھے موت سے کچھ عرصہ قبل مجھ سے ہے کہنے لگے علی بخش میرا جی چاہتا ہے کہ آج میں نماز پڑھوں میں نے کہا آپ پلنگ پر بیٹھ جائیں میں آپ کو وہیں بیٹھے بیٹھے وضو کروا دیتا ہوں وضو کروا دیا تو ڈاکٹر صاحب نے بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لی اور کہنے لگے مجبوری کی حالت میں یہ جائز ہے جن دنوں بھاٹی دروازے میں رہتے تھے ایک دفعہ پورے دو مہینے بڑی باقاعدگی سے نماز تہجد پڑھنے لگے ان دنوں ان کا عجب حال تھا قرآن اس خوشحانی سے پڑھتے تھے جی چاہتا تھا سارے کام چھوڑ کر ان کی تلاوت سنتا رہوں۔ [1]

علی بخش، علامہ اقبال کا دیرینہ ملازم تھا، جو کم عمری میں ہی علامہ اقبال کے یورپ جانے سے قبل ہی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا۔ علامہ اقبال کو اپنے اس ملازم سے بے حد محبت تھی، جسے اُس نے بھی خوب نبھایا۔ علی بخش نے اپنی ساری زندگی علامہ اقبال کی خدمت میں کچھ ایسی گزاری کہ جب تک علامہ اقبال کا نام روشن رہے گا علی بخش کا نام بھی عزت و تکریم سے لیا جاتا رہے گا علامہ کی وفات کے بعد بھی تقریباً دو دہائیوں تک علی بخش جاوید منزل میں ہی علامہ اقبال کے بچوں کے ساتھ رہے۔ علی بخش کا انتقال 2 جنوری 1969 کو فیصل آباد کے نواحی گاوں چک جھمرہ میں ہوا۔ [2]

مطالعہ سے معلوم ہوا کہ علامہ اقبال کا قرآن سے تعلق ان کے والد نے بچپن سے ہی جوڑ دیا تھا۔ بہت سارے واقعات اس شاہد ہیں کہ علامہ اقبال کو خصوصا قرآن پاک، سمجھ کر پڑھنا والد گرامی کی طرف سے خاص ہدآیات تھی علامہ نے اپنے والد کی دی گئی ہدآیات کی روشنی میں قرآن پاک کو سمجھا، پڑھا، اور پھر اسے پڑھنے کی دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کی۔ علامہ اقبال نے پیغام قرآن کو لوگوں تک پہنچانے کی خاطر اپنے شاعری کو ذریعہ بنایا اپنی شاعری سے بیان فرماتے ہیں کہ:

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ مَیں ہوں محرمِ رازِ دُرونِ میخانہ

آج ہمارے پاس علامہ کا پیغام شاعری کی صورت میں موجود ہے اور اس شاعری میں قرآنی آیات کے حوالے جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ گویا علامہ نے اپنے والد سے کیا گیا عہد بہت اچھے انداز میں پورا کیا اور نوجوان ملت کو قرآن فہمی سے روشناس کروایا۔ علامہ نے

---

[1] چراغ حسن حسرت، اقبال نامہ، ہونہار بک ڈیپو ریلوے روڈ لاہور، 1940، ص 24

[2] نذیر سید، علامہ اقبالؒ کا خاص ملازم علی بخش، روزنامہ دنیا، 16 جنوری، 2018

جس طرح قرآنی آیات کو اپنی شاعری میں استعمال کیا، اس کی نظیر بہت کم ملتی ہے اور یہ قرآن کی برکت ہے کہ ان کی شاعری دنیا میں ان کی پہچان بنی۔ انشاءاللہ آخرت میں نجات کا سبب بھی بنے گی۔

روزگار فقیر میں سید وحید الدین نے قرآن سے متعلق علامہ اقبال کی زندگی کے مختلف واقعات لکھے ہیں، ایک عجیب واقعہ بقول خود اقبال:

> ایک دن کرسچن کالج لاہور کا سالانہ اجلاس ہوا۔ یونیورسٹی کے ریکٹر۔ نے مجھے بھی شرکت کی دعوت دی۔ ملاقات کے بعد چائے پارٹی ہوگی۔ ہم چائے پی رہے تھے جب ڈاکٹر۔ لوکس صاحب کے پاس گئے اور کہا: "چائے کے بعد مت جانا، مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" چائے پینے سے فارغ ہوئے تو ریکٹر اس کے ساتھ آیا. کہنے لگے: اقبال یہ بتاؤ کہ قرآن کریم کا مفہوم تمہارے نبی پر نازل ہوا تھا، یا یہ کہ قرآن پاک کا ترجمہ اس کی زبان میں کیا تھا کہ وہ صرف عربی جانتے تھے، یا یہ متن اسی طرح نازل ہوا تھا؟ فرمایا: یہ عبارت نازل ہوئی ہے۔ لوکس غصے میں آگیا اور بولا کیا تم جیسا عالم آدمی بھی اصرار کرتا ہے کہ متن اسی طرح نازل ہوا؟ میں نے جواب دیا یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔" پوری نظم براہ راست مجھ پر نازل ہوئی تھی، تو پھر پوری آیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں نازل نہیں ہوئی؟[1]

علامہ اقبال نے ڈاکٹر لوکس کو ایسا جواب دیا تھا کہ وہ لاجواب ہو گئے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ علامہ پر شعر کی آمد کے وقت ایسی کیفیت طاری ہو جاتی تھی جو غیر معمولی ہوتی تھی۔ علامہ نے قرآن اور صاحبِ قرآن کا غیر معمولی دفاع کیا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ قرآنی آیات کے شانِ نزول کو بہت عمدہ انداز سے سمجھتے تھے اور ان میں پائے جانے والے ربط کو بھی جانتے تھے۔ قرآن سے قلبی لگاؤ کی وجہ سے علامہ کو یہ حوصلہ ملا، جس کی بدولت انہوں نے ڈاکٹر لوکس کو جواب دیا۔

فقیر سید وحید الدین اگے چل کر لکھتے ہیں:

> ان میں سے کچھ لوگ عربی زبان نہیں جانتے، عربوں کے قدیم علم کو نہیں دیکھتے، قرآن کو ٹھیک طرح سے نہیں سمجھتے، اور وہ قرآن کا ترجمہ و تفسیر کرنے لگے۔ ترجمہ اور تشریح ایک بہت ہی حساس اور ضروری کام ہے جو ایک سنجیدہ اور سخت ذمہ داری کا کام ہے۔[2]

---

[1] وحید الدین، سید فقیر، روزگار فقیر، جامعہ ہمدرد، دہلی، 1964ص، 20

[22] وحید الدین، سید فقیر، روزگار فقیر، 25

علامہ محمد اقبال یہ واضح فرمارہے ہیں کہ قرآن کی تفسیر کے ساتھ عربی زبان پر عبور حاصل ہونا بہت ضروری ہے۔ بہت سی خصوصیات ہونالازمی۔ عربی زبان کی تاریخ اور ذخیرہ الفاظ پر دسترس بھی ضروری ہے۔

دوسرا علم جس کی طرف علامہ اقبال اشارہ کرتے ہیں وہ عرب قوم کی تاریخ، سیاست، معاشرت، معیشت اور اس زبان کا ادب ہے۔ عربی زبان اس لیے ضروری ہے کہ قرآن عربی میں نازل ہوا اور عربی قوم کے بارے میں جاننا اس لیے ضروری ہے کہ قرآن کے اولین مخاطب وہی تھے۔ علامہ اقبال کے نزدیک قرآن کا ترجمہ یا تفسیر کرنا انتہائی نازک کام ہے

علامہ اقبال کی شخصیت جدید اور قدیم علوم کے ائینہ دار تھی وہ بیاہ وقت مذہبی علوم کے ساتھ ساتھ دیگر عمرانی تاریخی اور سیاسی علوم پر بھی مہارت رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ بہت سے عام اور خاص لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ اقبال کی فکر دیگر علوم سے اخذ کی گئی ہے۔ سوال کرنے والے نے بھی اس بات کو سامنے رکھ کر سوال کیا ہو گا کہ جو کتاب اقبال کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر ہو گی، اسی کتاب سے اقبال نے فکر بھی کی ہو گی۔ اقبال نے اس کا جواب بہت عمدہ انداز سے دیا کہ ان کی فکر اور شخصیت جس کتاب کی محتاج ہے وہ قرآن پاک ہے، اور یہی وہ عظیم کتاب ہے جو انسانیت کو راستہ دکھاتی ہے۔ بحیثیت مسلمان، ہمیں اس کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ جو اس کتاب سے جتنا زیادہ قرب رکھے گا، اللہ تعالی اس کے علم و عمل میں اتنی ہی زیادہ برکت عطا فرمائیں گے۔

علامہ کی زندگی کا اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ کہ علامہ کی فکر میں قرآن مجید کو خاص اہمیت حاصل ہے علامہ کے والدین نے ان کی تربیت ایسی فرمائی کہ ان کا قرآن کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا گیا پھر جو جو علم انہوں نے حاصل کیا چاہے وہ فلسفہ ہو یا دیگر عمرانی علوم علامہ نے ان سب کو جس نظر سے مطالعہ کیا وہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں تھی اور پھر اپنی شاعری میں جو جو فکر قرآن سے ٹکراتی تھی اس فکر کو مختلف علوم کی مدد سے غلط ثابت کیا اور قرآن کے حقانیت کو ہمیشہ اول درجے پر رکھا اور یہی ان کی تعلیمات کا خاصہ ہے۔

علامہ کا مخاطب ملت کا نوجوان ہے جس کو اپنی شاعری میں انہوں نے مختلف ناموں سے یاد کیا ہیں اقبال نوجوانوں کو یہ باور کروانا چاہ رہے ہیں قرآن زندہ اور جاوید کتاب ہے اس کے اندر اس دنیا کے سارے معاملات کا حل موجود ہے بس ہمیں قرآن کا گہرائی سے مطالعہ کرنا ہے اور موجودہ دور کی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے وہ ان ان علوم پر بھی مہارت حاصل کرنی ہے جن سے ہمارا مقدمہ مضبوط ہوتا ہے مختلف علوم میں مہارت کے بعد قرآن سے رہنمائی حاصل کی جائے اور پھر اس رہنمائی سے دنیا کی رہنمائی کی جائے تو یقینا اسلام، قرآن کی حقانیت واضح ہو جائے گی۔

فصل دوم: فکر اقبال کا بنیادی ماخذ قرآن

فکر اقبال کا بنیادی ماخذ قرآن

علامہ اقبال کی فکری اور فلسفیانہ شاعری کے مطالعہ سے یہ سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ آپ کا فکری ماخذ قرآن مجید ہے۔ ان کے خطبات میں بھی بنیادی دلائل قرآن مجید کی آیات مبارکہ رہی ہیں۔ اقبال کا پیام سر آپا قرآن ہے،اس لیے کہ جس قدر زمانہ گزرتا گیا ان پر قرآن کا اثر زیادہ سے زیادہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ان کی زندگی کے آخری حصے میں تدبر فی القرآن ہی ایک مشغلہ رہ گیا تھا۔ اقبال کے کلام میں جابجا ہمیں قرآنی آیات کا حوالہ ملتا اور جب ہم کلام اقبال کو قرآنی علوم کے ساتھ پڑھتے ہیں، تو رموز قرآن بھی واضح ہوتے ہیں۔

علامہ اقبال کے ایک استاد پروفیسر **نکلسن**[1] ایک ممتاز انگریز مستشرق تھے[2]۔ جو اسلامی ادب اور اسلامی تصوف دونوں کا عالم تھا، اسے انگریزی زبان میں وسیع پیمانے پر عظیم ترین مترجمین میں شمار کیا جاتا ہے۔ محمد اقبال کے ایک استاد ہونے کے ناطے، نکلسن نے اقبال کی پہلی فلسفیانہ فارسی شاعری کی کتاب اسرارِ خودی کا انگریزی میں ترجمہ The Secrets of the Self کے عنوان سے کیا۔

علامہ اقبال پروفیسر نکلسن کو ایک خط میں قرآن کے بارے میں بیان فرماتے ہیں:

> قرآن الہیات کی کتاب نہیں ہے، لیکن اس میں انسان کی معاش اور فلاح و بہبود کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ پورے یقین کے ساتھ کہا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا تعلق دینیات کے مسائل سے ہے۔ ان کی اصل اور ماخذ قرآن ہے۔ یہ مذہبی تجربات اور افکار کی روشنی سے منع کرتا ہے۔ میں یہ سمجھنا چاہوں گا کہ جدید خیالات پرانے کپڑے پہنتے ہیں۔ جدید فکر حقائق سے چمکتی ہے۔[3]

---

[1] (18 اگست 1868ء—وفات: 27 اگست 1945ء)

[2] سمیع اللہ، ڈاکٹر محمد، رینالڈ نکلسن کے افکار کا تجزیاتی مطالعہ: جہاں تحقیق، جلد 6، شمارہ 03، 2023، ص 150-158.

[3] شیخ عطا محمد، اقبال نامہ، شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور، جلد اول، ص 357

اقبال کی شاعری ہی نہیں بلکہ خود اقبال قرآن کا زندہ پیام تھے۔ وہ ساری دنیا کے انسانوں کے لیے قرآن ہی کو کامیابی کا دستور العمل سمجھتے تھے۔ مسلمانان عالم کو قرآن مرکز پر مجتمع دیکھنا چاہتے تھے اور نوجوانوں کے کتاب ہد آیت کی روشنی میں متحرک کرنا چاہتے تھے۔

قرآن کریم انسانیت کی کامیابی کا دستور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دستور انسانیت کو صاحب کتاب پیغمبر انسانیت حضرت محمد مصطفیٰؐ کے ذریعے انسانوں تک پہنچایا۔ آپ ﷺ مبارک طرز زندگی کو رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے کامیابی کا ضامن قرار دیا۔

"رموز بے خودی" کے ایک باب کا عنوان ہے: آئین ملتِ محمدیہ ﷺ قرآن است۔ اس میں مخاطب ہو کر وہ افراد فرماتے ہیں:

آں کتابِ زندہ قرآن حکیم
حکمتِ اولایزال است وقدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
نوع انساں راپیامِ آخریں
حاملِ اور حمۃً للعالمیں [1]

یہ قرآن ایک زندہ جاوید کتاب ہے، اس کی حکمت قدیم ہے، یہ وہ نسخہ ہے جو تخلیق کا راز بتاتا ہے۔ اس کی طاقت کی بنیاد پر ،ثبات واستحکام ملتا ہے۔ یہ انسانیت کے لیے آخری پیغام ہے جو خدا کی رحمت سب جہانوں کمزوروں کو کے لیے لے کر آئی ہے۔

اسی لیے اقبال نے "کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں" کہہ کر یہ حقیقت بیان کر دی کہ قرآن کو صاحب قرآن کے ذریعے سمجھنا ضروری ھے۔ اور ان کے مبارک طرز حیات کو ہی اپنی حقیقی کامیابی کا ضامن سمجھنا چاہئے۔ علامہ اقبال کی رائے میں قرآن مجید کی عظمت کی وجہ سے مسلمانوں کو دنیا بھر میں شان وشوکت نصیب ہوئی، قرآن کی تعلیمات کا ہی اثر تھا کہ مسلمان چاند و تارے کی مانند اس جہاں میں جگ مگا رہے تھے۔ علامہ اقبال کی شاعری قرآن مجید کی سچی تعلیمات کی علمبردار ہے۔

---

[1] ڈاکٹر، محمد اقبال، اسرار خودی ورموز بخوادی، اقبال بزم اقبال بنارس، ص، 137

پروفیسر سلیم یوسف چشتی کے بقول، انہوں نے علامہ سے براہ راست یہ سوال کیا کہ آپ کے فلسفہ خودی کا ماخذ کیا ہے؟ اور چونکہ آپ نے فرمار کھا ہے کہ خودی کا فلسفہ صوفیاء کرام اور قرآن کریم سے ماخوذ ہے اس لیے میں نے خاص طور پر آپ سے یہ بات پوچھی۔[1]

فرمایا، ہاں یہ آیت استحکام خودی پر دال ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ عَلَيۡكُمۡ أَنفُسَكُمۡۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا ٱهۡتَدَيۡتُمۡۚ إِلَى ٱللَّهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيعٗا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمۡ تَعۡمَلُونَ [2]

(اے ایمان والو! تم پر اپنی جان کی فکر لازم ہے، تمہارا کچھ نہیں بگاڑ تا جو کوئی گمراہ ہو جب کہ تم ہدآیت یافتہ ہو، تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں بتلادے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔)

علامہ اقبال، قرآن حکیم کو ہر عہد میں انسانی تہذیب وارتقاء اور رہنما اصول سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے پیغام قرآن کو انہوں نے اپنے اشعار میں بڑے اثر آفریں اور دل پذیر انداز میں پیش کیا ہے۔ علامہ کے مطابق قرآن مجید کا حقیقی مقصد تو یہ ہے کہ انسان اپنے اندر ان گوناگوں روابط کا ایک اعلی اور برتر شعور پیدا کرے، جو اس کے اور کائنات کے درمیان قائم ہے۔

قرآن کریم کی شرح لکھنے کی آرزو

حضرت علامہ کو قرآن کریم سے جو شغف تھا وہ کسی بھی حق آگاہ سے پوشیدہ نہیں اس لیے وہ اپنی زندگی میں قرآن کریم کی شرح لکھنے کے خواہش مند تھے اور وہ چاہتے تھے کہ وہ قرآن کے مطالب قلم بند کر دیے جائیں زندگی کے آخری ایام میں راس مسعود کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> میں مرنے سے پہلے قرآن پاک کے بارے میں اپنے خیالات لکھنا چاہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہو اور دین کی عظمت کی وہ خبر جو رسولؐ نے ہم تک پہنچائی، مجھے بھی دوسروں تک پہنچانا نصیب ہوں۔[3]

---

[1] غلام مصطفیٰ خاں، اقبال اور قرآن، ص22۔

[2] المائدہ:105

[3] شیخ عطا محمد، اقبال نامہ، ص357

علامہ محمد اقبال کی شخصیت بیسویں صدی کے عظیم مفکرین میں شامل ہیں اور ان سے استفادہ کرنے والوں میں برصغیر کی بڑی شخصیات شامل ہیں۔۔ علامہ محمد اقبال کی فکر سے متعلق سید ابو الا علی مودودی نے ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:

اس نے جو کچھ بھی دیکھا، قرآن کی روح سے دیکھا جو کچھ بھی سوچا، وہ بھی قرآن سے سوچا، اور قرآن ہی اس کے لیے ہر دولت سے بڑھ کر تھا۔ ان جیسا فنافی قرآن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔[1]

مولانا علی میاں لکھتے ہیں:

علامہ اقبال نے اپنی پوری زندگی قرآن پاک کے بارے میں سوچتے ہوئے گزاری، قرآن پاک ان کی پسندیدہ کتاب تھی، جس نے انہیں نیا علم دیا، اس نے انہیں کامل ایمان دیا۔ قرآن کا مطالعہ کرتے ہی نئی طاقت اور توانائی حاصل ہو گی، ان کی فکر میں اضافہ ہو گا اور ان کا ایمان بڑھنے لگا۔ اس لیے قرآن واحد کتاب ہے جو انسان کو علم اور دائمی سعادت سے مالا مال کرتی ہے۔[2]

علامہ اقبال سے متعلق یہ الفاظ ان مشہور شخصیات کے ہیں، جنہوں نے علوم قرآن میں اپنی زندگیوں کو صرف کیا لہذا ان کی آراء سند کا درجہ رکھتی ہیں۔

سید مظفر لکھتے ہیں: اقبال کو سمجھنے کے لیے بنیادی ضرورت یہ ہے کہ ان افکار کے بنیادی ماخذ یعنی قرآن کی طرف رجوع کیا جائے۔[3]

علامہ اقبال قرآن کو ایک زندہ اور جاوید کتاب کے طور پر لیتے ہیں اور پھر وہ اپنی فکر کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ سب مسلمانوں کو تلقین کرتے ہیں آج اگر مسلمان دنیا میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو قرآن سے رجوع کریں۔

خلیفہ عبد الحکیم لکھتے ہیں کہ:

اقبال کی شاعری کا کم از کم چار چوتھائی حصہ اسلامی اور ملی شاعری ہے جس میں ہمیں بہت سے فلسفیانہ افکار اور حکمت کے جواہر بھی ملتے ہیں۔[4]

---

[1]، انور علی، سید، علامہ اقبال اور مولانا مودودی، مرکزی مکتب اسلامیہ پبلشرز نئی دہلی سن 1980 ص 32۔

[2] ابو الحسن علی ندوی، مولانا، نقوش اقبال، ص 62

[3] مظفر حسین، سید، فکر اقبال، آل پاکستان اسلامک ایجوکیشنل کانگریس، لاہور، ص 6

[4] خلیفہ عبد الحکیم، ڈاکٹر، فکر اقبال، ص 71

علامہ اقبال کی شاعری کو سمجھنے کہ لیے قرآن سے مشورہ کرنا ضروری ہے، اس طرح قرآن کی جدید تفسیر کے لیے اقبال کے اشعار پڑھنا ضروری ہے۔ اردو شاعری کی تاریخ میں اقبال کے علاوہ کوئی شاعر ایسا نہیں جس نے قرآن سے اس طرح سے زیادہ استفادہ کیا ہو۔

غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک انسانی زندگی کی ظاہری اور باطنی زندگی کو سجانے کا بہترین آئینہ ہے، اگر ہم واقعی چیزوں کو سنجیدگی سے لیں اور اپنی زندگی کو اس طرح بسر کریں کہ ہمیں قرآن پاک نظر آئے جو کہ ہمارے لیے رہنمائی، اور آخرت کامیاب ہے۔[1]

شمس تبریز خاں، علامہ اقبال کے کلام پر اسلامی چھاپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقبال کے پاس جذبہ اور فکر کی مثالی ہم آہنگی تھی اور ان کے قلب و نظر کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جو ایمان و اسلام کی روشنی اور سائنس کے کردار سے ہر صورت منور نہ ہو۔ انہوں نے تاریخ اور سیاست کے بارے میں بات کی ہے اور انہیں تخلیق کیا ہے۔ وہ اس کی فکر کا موضوع ہیں، لیکن اگر ان سب میں ایک چیز مشترک ہے تو وہ ہے اسلامیت اور اس کا عقیدہ۔ سائنس اور آرٹ کی تمام شاخوں کا ایک نقطہ نظر ہے جو "شاخوں میں ہوا کی طرح" بہتا ہے۔[2]

یقیناً یہ سب مطالعہ قرآن کا فضل ہے

بقول غلام رسول ملک: ان کے خیالات قرآن کے افکار ہیں اور ان کا نقطہ نظر قرآن کا تصور ہے، اور جب وہ اپنے خیالات اور نظریات کو الفاظ کے لباس میں پہناتے ہیں تو قرآن کے اسلوب اور آہنگ کی شان ہوتی ہے۔[3]

یہ تمام وہ علماء ہیں جنھوں نے کلام اقبال کو پڑھنے سمجھنے کے بعد نوجوان نسل کو اقبال کی تعلیمات سے روشناس کروایا ان کے نزدیک علامہ کی بنیادی فکر جیسے وہ خود بیان کر چکے کہ قرآن کریم ہے اور پھر ساری زندگی اس کی ترویج کی ہے اقبال کے خیال میں انسانیت کی فلاح تعلیمات قرآن پر عمل کرنے میں موجود ہے۔

---

[1] غلام احمد پرویز، اقبال اور قرآن، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور، 1996، ص 3

[2] ابوالحسن علی ندوی، مولانا، نقوش اقبال، ص 36

[3] محمد سہیل عمر، عمر رفیع الدین ہاشمی، وحید عشرت، اقبال کے سو سال، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد 2002ء ص 417

اقبال کا قرآن سے ربط اتنا مضبوط تھا کہ ان کی شاعری میں موجود قرآنی آیات کا ترجمہ اور مفہوم بیان کرنے کہ لیے بھی درجنوں کتابیں لکھی گئیں ہیں ایسی کتب میں سب سے زیادہ مقبول کتاب، اقبال اور قرآن، غلام مصطفیٰ خاں کی تصنیف ہے جس کو صدارتی ایوارڈ دیا گیا ہے۔

علامہ محمد اقبال کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق

علامہ اقبال کی فکر کا دوسرا ماخذ صاحب قرآن تھے۔ اقبال کے اشعار میں آپؐ کی سیرت پر مفصل گفتگو ملتی ہے۔ علامہ کو آپؐ کی شخصیت سے انتہا کی محبت تھی جس کا اظہار وہ اپنے اشعار میں جابجا کرتے ہیں مسلمانوں کو عروج حاصل کرنے کے لیے تعلیمات مصطفیٰؐ سے روشناس ہونے کی تلقین کرتے تھے۔

آپؐ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر لوگ نا انفرادی زندگی میں اور نہ ہی اجتماعی زندگی میں کامیاب ہو سکتے ہیں اس لیے کہ آپؐ کی بدولت ایمان ملا۔ صاحب ایمان ہونے کی وجہ سے ہمارے اوپر بہت ساری ذمہ داریاں ہیں۔ ان کی تکمیل ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے یہ اسی وقت ہی ممکن ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت اور ان کی سیرت اور کردار کے مطابق مسلمان اپنی زندگی گزاریں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے [1]

اقبال کے کلام میں عشق کی اصطلاح بہت زیادہ استعمال ہوئی ہے اور علامہ اس سے مراد کہ جب انسان اطاعت اور بندگی میں کامل ہو جائے تو اس کے اندر اللہ اور اس کے رسول سے عشق پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی نسبت سے ڈاکٹر طاہر فاروقی تحریر فرماتے ہیں:

> محبت کی اس نعمت سے عاشق بے پناہ طاقت حاصل کر لیتا ہے اور ابو المقات اور ابو الحال بن جاتا ہے۔ روح اور دنیا اس کی برہنگی کے نیچے چھپی ہوئی ہے اور وہ جنوں اور فرشتوں کو اپنا ساتھی سمجھتا ہے۔۔[2]

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص236

مذکورہ بالا شعر میں اقبال نے عشق کی طاقت بیان کی ہے جب یہ عشق حضور کی ذات سے ہوتا ہے تو انسان کو مضبوط بناتا ہے اور محبوب کی اطاعت کی طرف مائل کرتا ہے، احکام ماننے اور عمل کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔اسی طرح علامہ اقبال کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو فکری تعلق تھا اس کو فقر سیّد وحید الدین اپنی کتاب میں بیان فرماتے ہیں:

> ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کی زندگی اور کردار میں سب سے نمایاں، محبوب اور جذبہ قیمتی ہے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور سے ان کا جو گہرا تعلق تھا اس کا اظہار ان کی نم آنکھوں سے ہوتا تھا۔ جب بھی کوئی آپ ؐ کا نام لیتا تو شدید جذبات اور ہمدردی اس پر غالب آجاتی اور جیسے ہی رسول ؐ کا نام میں تشریف لاتے اور ذکر کرتے آپ کی آنکھوں سے آنسو بے قابو ہو جاتے۔یہ۔اس کے ساتھ اقبال بے قابو ہو جاتے۔ آپ کے کلام کا خلاصہ جس میں آپ ؐ سے محبت اور آپ ؐ کی اطاعت کو بیان کیا گیا ہے۔میں نے ڈاکٹر کے ساتھ جو محبت کے مناظر دیکھے وہ لفظوں میں ڈھالنا مشکل ہے۔۔ [1]

علامہ اقبال اپنی شاعری میں دوسری جگہ بیان کرتے ہیں کہ عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مومن کو غیر معمولی جرات عطا کر دیتا ہے اپنے مشہور نظم ابلیس کی مجلس شوری میں شیطان کی چال کا ذکر کرتے ہوئے ابلیس اپنے مریدوں کے مشوروں میں سے ایک کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ہے
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو [2]

علامہ اقبال کی فکر کا دوسرا ماخذ سمجھنے کے لیے یہ شعر بہت اہم ہے اقبال نے یہ شعر سیاسی معنی میں استعمال کیا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کا مقصد آپ ؐ کی تعلیمات کو نافذ کرنا ہے ان پر عمل کرنا ہے مسلمان اب تک اپنی تہذیب اور شناخت کو بچانے میں اگر کامیاب ہوا ہے تو وہ اسکی اپنے نبی حضرت محمدؐ سے بے پناہ محبت اور اسی کے نتیجے میں انکی سنّت پر عمل پیرا ہونا ہے، یہی روح محمّد ہے. نبی کریم حضرت محمدؐ کی تعلیمات کا مقصد انسان کو اس دنیا کی اور آخرت کی ابدی کامیابی سے ہمکنار کرنا ہے. اسکو محبت کے مجازی اور سطحی درجہ سے اٹھا کر، بہتر اعمال اور اخلاق سے سجا کر اپنے رب کی الفت والی محبت سے روشناس کروانا اور اسکی لذت سے آشنا کروانا ہے.

---

[2] محمد طاہر فاروقی، ڈاکٹر، اقبال اور محبت رسول، بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور، 1977، ص 24

[1] وحید الدین، سید، روزگار فقیر، ص، 95

محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص [2] 658

اقبال نے لکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لیے بھلائی کا اعلی نمونہ ہیں جن باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرماتے ہیں اور جن باتوں کو کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ سب اس بنیاد پر ہے. آپؐ سے زیادہ انسانوں کا بھلا چاہنے والا اور کون ہو گا؟ اور آپ کے طریقے سے بہتر کس کا طریقہ ہو گا؟ یہی آفاقی انسانی فلاح کا تصور اسلام کی تہذیب اور ثقافت ہے. اسی کے سر خیل جناب رسول مقبول حضرت محمدؐ ہیں جن کی محبت امّت کا اصل سرمایہ ہے، اسی کے خلاف ابلیسی قوتیں بر سرپیکار ہیں. جناب نبی کریم حضرت محمدؐ اور انکی سنّت سے مسلمانوں کی محبت اور تعلق منقطع کرنے کے لئے بھرپور سازشیں تیار کی جارہی ہیں۔

علامہ اقبال نے آپؐ کی ذات کو مسلمانوں کا مرکز و محور قرار دیا ہے۔ مسلم امہ کی کامیابی کا انحصار تعلیمات مصطفیؐ کی ترویج اور عمل کرنے پر منحصر ہے اور جواب شکوہ کے آخری شعر میں تو علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو دوٹوک الفاظ میں اللہ کی مشیت سے آگاہ کر دیا۔ کس قدر پر مغز شعر ہے، جس میں دنیاو آخرت کی کامیابی کو حضورؐ کی غلامی سے مشروط کر دیا کہ:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں[1]

اقبال فرماتے ہیں کہ آپؐ کی ہستی اور آپ کی تعلیمات سے اگر مسلمانوں نے وفا کی تو اللہ تعالی مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائے گا۔ آپؐ سے محبت و اطاعت کا رشتہ، مسلمانوں کی تقدیر کو تبدیل کر دے گا۔ مسلمان نوجوان اگر دنیا میں اگر کامیابی اور عروج چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپؐ سے وفا کرے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرے، اس کا صلہ صرف دنیا میں ہی نہیں ملنا ہے بلکہ آخرت میں بھی ملے گا۔ یہ شعر علامہ کی شاعری کا نچوڑ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ فکر اقبال کی بنیاد قرآن مجید اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک تھی جو کہ دین اسلام میں مرکز و محور کی حیثیت رکھتے ہیں۔

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص 237

باب سوم: کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا تعارفی جائزہ

فصل اول: اردو ادب میں تلمیحات کی ضرورت و اہمیت

فصل دوم: کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا تعارفی مطالعہ

تلمیحات کی ضرورت واہمیت

تلمیح یہ اصطلاح عربی لفظ لمح سے ماخوذ ہے اور اس کا لفظی مطلب ہے "اشارہ" کرنے کے ہیں ۔[1]کسی واقع کی طرف اشارہ کرنا۔[2]شاعرانہ اصطلاح میں اس سے مراد اخلاقی، سماجی، اخلاقی یا مذہبی واقعہ کو ظاہر کرنے کے لیے لفظ یا الفاظ کے مجموعہ کا استعمال ہے۔ تلمیح کے استعمال سے نظم کے معنی میں وسعت اور اضافہ ہوتا ہے۔ نظم پڑھنے کے بعد قاری کے ذہن میں پورا واقعہ زندہ ہو جاتا ہے۔۔

تلمیح کی اصطلاح علم بدیع سے تعلق رکھتی ہے۔زبان میں ایسے الفاظ اور فقروں کا استعمال جو مذہبی، روحانی، یا سماجی واقعات یا کہانیوں کا حوالہ دیتے ہیں۔۔ [3]

تقریباً تمام لغات نے تلمیح کا عربی میں ترجمہ کیا ہے اور در حقیقت یہ عربی ہے لیکن عربی میں تلمیح کا اصل مو ادل+م+ح=لمح ہے۔ تلمیح کی تعریف قائم کرتے ہوئے اس کی اصل نوعیت کو مد نظر نہیں رکھا گیا۔ التلمية في اللغة العربية تعني الظهور، والتألق، وما إلى ذلك[4]. عربی میں تلمیح کا مطلب ہے " نظر آنا، چمکنا وغیرہ۔ یہ تمام معنی تلمیح کے پس منظر میں جھلکتے ہیں، تلمیح کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے اس کی مثال یہ ہے.

آرہی ہے چاہ یوسف سے صدا

دوست یہاں تھوڑے ہیں بھائی بہت

اس نظم میں "چاہ یوسف" اشارہ پیغمبر یوسف علیہ السلام کے اس واقعے کی طرف ہے جس میں سوتیلے بھائیوں نے ہی کنویں میں پھینک دیا تھا اس کی وجہ یوسف علیہ السلام سے حسد تھا ان کے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف ہیں بہت پیار کرتے تھے حتی کہ دیگر بھائیوں کو حسد ہونے لگا اور انہوں نے موقع پا کر یوسف علیہ السلام کو غائب کرنے کا سوچا اس واقعے کی

---

[1] عطاء الرحمن صدیقی، ڈاکٹر، اردو شاعری میں اسلامی تلمیحات، کاکوری اگست پریس لکھنؤ، 2004، جلد اول ص۔148

[2]. مولوی، سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، 1974، جلد اول، ص628

انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نشنل بک فاؤنڈیشن، چہارم، مارچ 2017ء ص[3]82

[4] محمد بن عبد الرزاق المرتضى الزبيدي، تاج العروس من جواهر القاموس، طبعة الكويت، 2006، ص200

طرف تفصیل اشارہ قرآن کریم کی سورہ یوسف[1] میں موجود ہے۔ اس شعر کو ایک بار پڑھیں تو آپ کے ذہن میں حضرت یوسف علیہ السلام کا سارا قصہ آجائے گا۔ اچھا یوسف کی دراصل بھائیوں کے حسد اور بے وفائی کی طرف نشاندہی کر رہی ہیں۔

دوسری مثال:

صبر ایوب کیا گریہ یعقوب کیا

ہم نے کیا کیا نہ تیرے واسطے نہ بھوک کیا

صبر ایوب (ایوب کا صبر) اور گریہ یعقوب (یعقوب کے آنسو) تلمیح کی مثالیں ہیں ایوب علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے جنہوں نے مصائب اور مشکلات پر بے مثال صبر کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ وہ تاریخ میں امر ہو گئے قرآن مجید میں ان کا ذکر سورۃ الأنبیاء[2] میں موجود ہے۔

اس نظم میں دو مرکبات "ایوب کا صبر" اور "یعقوب کے آنسو" اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ شاعری میں، بعض الفاظ جذبات اور احساسات کو اشاروں کے ذریعے ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں جو ایک خاص ہم آہنگی اور تال پیدا کرتے ہیں۔ گانے یا موسیقی.

قدیم زمانے میں لوگ لمبی کہانیاں سننا اور سنانا پسند کرتے تھے۔ وہ کہانی کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے الفاظ اور علامتوں کا ایک خاص مجموعہ بناتا ہے جسے "تلمیح" کہتے ہیں۔ یہ علامتیں مختصر تھیں اور کسی نظم کے مخصوص احساس یا تفہیم کو ظاہر کرنے کے لیے پیش کی گئیں۔ ان کی اہمیت کہانیوں میں نظموں کی طرح نہیں تھی۔ ہ شاعری میں ان کا اثر زیادہ ہے۔

کچھ کہتے ہیں کہ یہ صرف ایک کہانی ہے، دوسروں کا کہنا ہے کہ یہ صرف ایک اشارہ ہے، اور دوسرے کہتے ہیں کہ یہ واقعات کو معنی دیتا ہے۔ کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ صرف عام لوگوں کو متاثر کرتا ہے۔ کچھ نے اپنی تفسیر میں سائنسی اصطلاحات اور مسائل کو شامل کیا، جب کہ دیگر نے کہاوتیں، اور مذہبی تعلیمات شامل کیں۔

---

[1] سورہ یوسف:12

[2] سورۃ الأنبیاء:83

تلمیح کا مطلب اشارہ کرنا[1]۔ شاعر اپنے کلام میں کسی خاص واقعے کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہو تو وہ تلمیح کا استعمال کرتا ہے جس سے قاری کو اس کلام کا مفہوم آسانی سے سمجھ آجاتا ہے۔[2]

زبان کے ارتقا کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ اور کہانیوں کی وسعت میں اضافہ ہوتا گیا لمبے قصوں کو بیان کرنے کے لیے چھوٹے اور سادہ الفاظ کا انتخاب کیا اور پھر ان الفاظ سے پورا واقعہ با آسانی سے سمجھ انے لگا تو خاص الفاظ کسی طرف اشارہ کرتے ہیں اور وہ الفاظ تلمیحات کہلاتے ہیں۔[3]

اشارہ ایک خاص چال کی طرح ہے جسے شاعر اپنے الفاظ یا عمل کو واقعی ہمارے ذہنوں میں ڈالنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ بجلی کی چمک کی طرح ہے جو ہر چیز کو روشن اور صاف بناتی ہے۔ جب شاعر اشارے کا استعمال کرتے ہیں، تو وہ سب سے پہلے اس چیز کو چمکاتے ہیں جو وہ بتانا چاہتے ہیں، اور پھر وہ اسے دوسرے خیال سے جوڑتے ہیں جس کے بارے میں وہ بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ وہ کیا کہنا چاہ رہے ہیں اور ان کے الفاظ کو مزید دلچسپ بنا دیتا ہے۔

تلمیح تقریر کی ایک قسم ہے جس میں واقعات، قصے جیسے اقوال، آیات، احادیث وغیرہ کی ملی جلی تشریحات حاصل کی جاتی ہیں، الفاظ کاٹ دیے جاتے ہیں اور شعر (زبان) کو لطیف طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔ عمومی مفہوم ایسا ہونا چاہیے کہ وہ واقعات، قصے، مشکل اصطلاحات اور حدیث کے اشعار کی طرف رہنمائی کرے۔ لطیف و بلیغ کے لغوی معنی میں نہیں بلکہ معنی و مفہوم میں بھی ہونا ضروری ہے۔ اگر لطیف و بلیغ مل جائے تو ایسی تقریر بھی ضروری ہے، لیکن تلمیح زیادہ لطیف اور فصیح ہے، کیونکہ استعارہ کی شان اس بات میں مضمر ہے کہ اسے تخلیق کیا گیا ہے، تلمیح کی مذکورہ بالا تعریف پابندی سے مشروط نہیں ہے۔ تاریخی، "مشہور" یا "مشہور"۔ تلمیح کا دائرہ اثر پھیلتا جا رہا ہے اور نئے اسباق کی روشنی بڑھتی جا رہی ہے۔

---

1 نور الحسن نیر، مولوی، نور اللغات، ترقی اردو بیورو نئی دہلی 1989ء جلد دوم ص 222

2. لکھنوی، مہذب، مہذب اللغات مقرب لکھنو، 1962ء جلد 3 ص 294

وحید الدین سلیم، افادات سلیم، سید اشرف حیدر آبادی، ص 100[3]

تلمیحات کے ماخذ

جہاں تک تلمیحات کے ماخذ کا تعلق ہے تو، غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ ادبی تلمیحات کے بنیادی ماخذ تاریخ، جغرافیہ، مذہب، رسوم ورواج، تخیلاتی افسانے، علم وادب، وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ تاریخی تلمیحات وہ ہوتی ہیں جو قصے کہانیوں پر مشتمل نہیں ہوتی بلکہ ان کی ایک حقیقت ہوتی ہے اسی چیز کو سامنے رکھتے ہوئے شاعر اپنی شاعری میں کسی تاریخی واقعے سے منسوب کوئی خاص لفظ جب کوئی خاص اشارہ جب وہ بیان کرتا ہے تو ہماری نظر اس خاص واقعے کی طرف ہو جاتی ہے جو کسی خاص صدی سال اور مہینے میں واقع ہوا تھا جیسے عرب میں عام الفیل لفظ ہاتھیوں کا سال یہ تلمیح استعمال ہوتی تھی اور اس سے مراد ابراکل وہ لشکر تھا جو خانہ کعبہ پر چڑھائی کرنے آیا تھا جس کے جواب میں اللہ تعالی نے پرندوں کی پوری فوج کو بھیجا اور ابرہہ کا بر الشکر تباہ و برباد ہو گیا اس واقعے کے کچھ عرصے بعد عام الفیل کے لفظ ہیں یہ واقعہ مشہور ہوا اور عربی شاعری یا اردو شاعری میں جب بھی عام الفیل کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تمہاری توجہ فورا اس واقعے کی طرف ہو جاتی ہے وہ تلمیحات جو تاریخی واقعات پر بیان کرتی ہیں جیسے ،نادر شاہی, تاناشاہی، غزنوی ،وغیرہ۔

مذہبی تلمیحات قرآن میں موجود قصص الانبیاء اور احادیث میں موجود مختلف واقعات اور اس کے بعد اسلامی تاریخ میں ہونے والے واقعات بھی مذہبی تلمیحات کا حصہ بن گئے ہیں اور جب بھی کوئی خاص لفظ ان کے لیے استعمال ہوتا ہے تو ہماری توجہ مذہب میں موجود مذہبی ادب کی طرف جاتی ہے اور پھر ہم اس پورے واقعے کو یاد کر لیتے ہیں۔

شاعری میں اس کو استعمال کر کے ہمیں اسلاف کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں مختلف شعراءں نے قرآن کریم اور احادیث نبوی کو موضوع بنایا اور پھر بہت سے تلمیحات قرآن و حدیث سے بیان کی جس سے ہم بہت آسانی سے استفادہ کر کے

قرآن یا حدیث کے اس خاص واقعہ کو جان لیتے ہیں اور اس مقصد کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

وہ تلمیحات جو عام طور پر مذہبی عقائد و خیالات کی طرف اشارہ کرتی ہیں جیسے ،ید بیضاء، دم عیسیٰ، دعائے خلیل وغیرہ۔ ایسی تمام تلمیحات جن کی بنیاد اسلامی عقائد، اسلامی تعلیمات، یا قرآن و حدیث پر ہو یا قرآن و حدیث کا

کوئی جملہ کوئی تعبیر یا جز لفظاً یا معنا بطور تلمیح استعمال ہو اس کا مفہوم و مقصود اس کا مفہوم قرآن و حدیث کی تعلیمات کے منافی نہ ہوں اور نہ ہی اسلامی عقائد کے منافی ہوں تو ایسی تلمیح کو اسلامی تلمیحات کے دائرے میں شامل سمجھیں جائیں گیا ردو ادب میں اسلامی تلمیحات کا استعمال بہت زیادہ ہوا ہے ان واقعات کا ذکر ہمیں ملتا ہے جو قرآن و حدیث اور اسلامی تاریخ سے واضح ہوتے ہیں۔[1]

رسمی تلمیحات وہ تلمیحات ہوتی ہیں جو کسی خاص علاقے کے لوگوں میں ان کے رسم ورواج کو سامنے رکھ کر اخذ کی جاتی ہیں مسلمانوں کے ہاں مختلف رسمیں ہوتی ہیں مختلف تہوار منائے جاتے ہیں پھر ان تہواروں میں مختلف رسمیں ادا کی جاتی ہیں اسی طرح دوسری قوموں میں بھی ان کے مختلف تہواروں پر مختلف رسمیں ہوتی ہیں۔ کسی خاص شہر میں میں بھی کچھ رسم ورواج ہوتے ہیں بعض اوقات یہ رسم ورواج عام ہوتے ہیں جس سے ہر ایک واقف ہوتا ہے مگر بہت سے رسمیں ایسی ہوتی ہیں جو کسی خاص قوم یا جگہ کے لیے مخصوص ہوتی ہیں اور وہ تلمیحات بھی پھر کسی خاص قوم یا جگہ کے لیے مخصوص ہوں گی۔

وہ رسمیں جو عام ہیں یا دنیا کے بڑے خطے میں ان کو اپنایا جاتا ہے اور باقی دنیا والوں کو بھی اس کی خبر ہے اس سے جو تلمیح بیان ہوگی وہ اس علاقے کے لوگ تو جانتے ہی ہوں گے مگر دوسرے قوم کے لوگ بھی کچھ نہ کچھ اس سے واقف ہوں گے ایسی تلمیحات ہمیں روایات پر ماضی کے مختلف قانون وضوابط سے جوڑتی ہیں اور ان کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہیں وہ تلمیحات

اردو ادب میں افسانوں اور افسانوں کی کمی نہیں ہے۔ بہت سی فرضی کہانیاں ہمارے اسلاف کے ذریعے ہمارے پاس آتی ہیں اور پھر ہم انہیں اگلی نسل تک منتقل کر دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ خیالی ہوتے مگر اتنے مشہور ہو جاتے کہ خاص و عام ہر کوئی ان کے بارے میں جانتا ہے اور جب کوئی ان کے بارے میں سنتا یا پڑھتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ یہ فرضی ہیں مگر وہ اس سے سبق سیکھانا چاہتے ہیں۔. بہت سی مشہور کہانیاں فرضی اور خیالی ہیں۔ ہمیں ان سے سیکھنا چاہیے۔ تلمیحات جن کی بنیاد فرضی یا تخیلاتی قصوں پر رکھی جاہیں جیسے شیخ چلی، ہما، وغیرہ۔[2]

تلمیحات وہ بہت وسیع ہیں اور تمام علم میں استعمال ہوتی ہیں۔ اردو ادب میں خاص علمی صلاحیتیں ہوتی ہیں، پھر اسی اردو گرائمر اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق دیگر علوم میں اور ان میں سے اکثر اس علم کی گہرائی کو سمجھنے والے واقف ہوتے ہیں،

---

[1] عطاء الرحمن صدیقی، ڈاکٹر، اردو شاعری میں اسلامی تلمیحات، نظامی پریس پریس لکھنؤ، 1990ء، جلد اول ص 221۔

[2] ایضا، ص 223

جیسے استاد اپنے طالب علموں کو پڑھاتا ہے۔ خاص موضوع، اس لیے وہ کسی بڑے واقعے کو بیان کرنے کے لیے خاص الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ یہ کسی حد تک سائنس اور ہر مضمون میں موجود ہے اور طلباء کو یاد رکھنے والی چیزوں کو آسانی سے سمجھنے کی صلاحیت دیتی ہیں ان کو ہم علمی تلمیحات کہتے ہیں۔

وہ تلمیحات جو ملک کی جغرافیائی خصوصیات اور اس ملک کی ثقافت اور معاشرے کی خصوصیات کو ظاہر کرتا ہے، جیسے مصری بازار، مجبن ٹاورز، سیہون اور مسک کتان۔ یہ ایک جغرافیائی اصطلاح ہے جو بعض علاقوں میں پائی جاتی ہے۔ کچھ جغرافیائی فہم یہ ہے کہ ہندوستانی شاعر اپنی نظموں میں بارش کا لفظ استعمال کرتے ہیں، جس کا مطلب ہے ہندوستان میں بارش زیادہ ہوتی ہیں۔ مختلف وضاحتیں ہیں جو علاقے اور رسم ورواج کی وضاحت کرتی ہیں۔ وہاں کے رہنے والوں کے رسم ورواج اور قدرت کی مختلف نعمتوں کو شاعر اپنی نظموں میں بُنتے ہیں جو تلمیحات کی مدد سے قاری کو آسانی سے سمجھ آجاتی ہیں۔

ہر شاعر خواہ وہ قومی ہو یا بین الاقوامی، اپنی شاعری، اپنے ماحول اور اس میں موجود مختلف چیزوں کو تخلیق کرتا ہے اور ان کے ساتھ اس مخصوص علاقے کے واقعات بھی بیان کرتا ہے، جسے ہم جغرافیائی معلومات کہتے ہیں، یہ بعض اوقات مخصوص ہوتے ہیں۔ اور عام بھی ہوتی ہیں۔

مصائب علی صدیقی کے مطابق ادبی تلمیحات کا مطلب وہ ہے جو اردو ادب میں خالصتاً ایرانی ہے یا ایرانی ادب کا وہ تاثر جو ایران سے ہندوستان آیا اور پھر ہندوستان کے سازگار ماحول میں رہ کر اردو ادب کا حصہ بن گیا۔ اگرچہ اردو ادب کی تعداد بہت کم ہے لیکن ہر دور میں اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے اور اس کی ابتداء ایرانی ادب جیسے جسد جمشاد، ضحاک، سہراب اور رستم سے ہوئی ہے۔[1]

کثرت سے استعمال ہونے والے اور معروف محاورے عام طور پر بول چال کے محاوروں اور کہاوتوں کی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال ڈیڑھ اینٹوں سے مسجد کی تعمیر ہے۔ ایک وقت تھا جب افغان پٹھان پرجوش اور تنگ نظر تھے اور انہوں نے مختلف جگہوں پر اپنی مساجد بنائی تھیں۔ عموماً مسجد ایک اینٹ سے بنائی جاتی تھی۔ ڈیڑھ اینٹیں ان محاوروں کو تلمیحات کہا جاتا ہے جہاں راجہ بھوج ہے اور گنگو اترو ہے۔ اور بادشاہ خوش نہیں ہوگا، اور بادشاہ امثال پر رقص نہیں کرے گا۔۔

جب کوئی شاعر لکھتا ہے، چاہے وہ کہانی ہو یا نظم میں، جس طرح سے وہ اپنے آپ کو اظہار کرتے ہیں وہ بہت اہم ہے۔ انہیں اپنے الفاظ کو دانشمندی سے استعمال کرنے اور صرف چند الفاظ کے ساتھ بہت کچھ کہنے کی ضرورت ہے۔ یہ ان کی تحریر کو طاقتور اور معنی خیز بنادیتا ہے۔ بعض اوقات ایک شاعر نازک اور محتاط زبان کا استعمال کرکے خوبصورت اور خصوصی نظمیں تشکیل

---

[1] مصاحب علی صدیقی، اردو ادب میں تلمیحات، ص۔255

دے سکتا ہے۔ یہ نظمیں ان نظموں کے مقابلے میں پڑھنے کے لئے زیادہ متاثر کن اور خوشگوار ہیں جو اتنی احتیاط سے لکھی نہیں ہیں۔۔ تلمیحات کامل ہیں کیونکہ وہ ہمیں صرف چند گھنٹوں میں لوگوں کچھ بتاتے ہیں۔ لہذا، جب ہم قرآن کی ایک کہانی سنتے ہیں تو، ہم اپنے ذہنوں میں دیگر کہانیوں کے بارے میں بھی سوچ سکتے ہیں۔

فصل دوم: کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا تعارفی مطالعہ

کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا تعارفی مطالعہ

تلمیح ایک خاص طریقہ ہے جسے شاعر اپنے کلام کو خوبصورت بنانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اردو اور فارسی میں بہت سے شاعروں نے تلمیح کا استعمال کیا ہے لیکن اقبال نے اسے اس طرح استعمال کیا ہے جو واقعی خاص اور منفرد ہے۔ اس نے تلمیح کا استعمال لوگوں کو کارروائی کرنے کی ترغیب دینے اور انہیں مستقبل کی امید دلانے کے لیے کیا۔ انہوں نے ماضی کی مثالوں کو یہ ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا کہ اگر ہم مل کر کام کریں تو اچھی چیزیں ہو سکتی ہیں۔ اقبال کے تلمیح کے استعمال نے ان کی شاعری کو مزید خوبصورت بنایا اور لوگوں کو نئے امکانات کا تصور کرنے میں مدد دی۔

اقبال نے بھی قرآن پاک سے انبیاء کی علامتیں مستعار لی ہیں اور تاریخی شخصیات کو ان کی تاریخی حیثیت کے لحاظ سے علامتوں سے زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ آگ نمرود، درخت، خلیل و نمرود اور موسیٰ و فرعون جیسی علامتوں کا ماخذ بھی قرآن پاک سے لیا گیا ہے۔ کچھ علامتیں ایسی بھی ہیں جو قرآن کی روح سے متاثر ہیں یا جو قرآن کی روح سے ہم آہنگ ہیں جیسے شاہین، مرد حر، مرد مومن اور کچھ پاکیزگی کی علامتیں جیسے گل لالہ وغیرہ۔ ان سب قرآن پاک کا اثر واضح نظر آتا ہے

قرآنی تلمیحات باعتبار لفظی:

پروفیسر محمد بدیع الزماں، اپنی کتاب، امیں کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کی تین صورتیں بیان کرتے ہیں[1]

ا۔ قرآنی تلمیحات باعتبار لفظی، ب۔ قرآنی تلمیحات باعتبار ترجمہ آیات، ج۔ قرآنی تلمیحات باعتبار مفہوم آیات۔

قرآن کریم نے اقبال کی شخصیت، تصورات اور نظریات کے ساتھ ساتھ ان کے اسلوب اور اظہار کو بھی متاثر کیا۔ وہ قرآن پاک کے طریقے اور الفاظ بھی استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنی بولنے کی تکنیک اور الفاظ بھی قرآن پاک سے اخذ کرتا ہے۔ اقبال کی نظموں میں صرف اسلوب اور آہنگ ہی نہیں بلکہ علامتیں اور شخصیتیں بھی قرآن پاک سے مستعار ہیں۔ اقبال کی اہنگ کا قرآن سے گہرا تعلق ہے۔ اقبال نے اپنی نظموں میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان میں بہت سے الفاظ قرآن مجید سے مستعار لیے گئے ہیں جیسے ایمان، کفر، توحید، شہادت، فکر، لا الہ، لطاف، لطاف، بشیر، نذیر، ، نذر، مسجد وغیرہ۔ بہت سے الفاظ قرآن مجید سے لیے گئے

---

[1] محمد بدیع الزماں، اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات اور آیات کے منظوم ترجمہ، نشاط افسٹ پریس ٹانڈہ فیض آباد 1995 جلد اول ص 8

ہیں۔ قرآن مجید۔ قرآن کے عربی متن کی ادبی تشریحات یا قرآنی آیات کے فقرے خود عربی متن میں استعمال ہوتے ہیں، لیکن انہوں نے بہت سے فقروں کو شاعری میں تبدیل کر دیا، جن کی سطح بہت زیادہ ہے کسی دوسرے شاعر نے دو چار کے علاوہ ان تلمیحات کو اردو شاعری میں بطور تلمیح جمع نہیں کیا ہے۔[1]

مثال کے طور پر دیکھیں:

دید سے تسکین پاتا ہے دل مہجور بھی
لن ترانی کہہ رہے ہیں یا وہاں کے طور بھی[2]

اس شعر میں لن ترانی کی تلمیح ذیل کی آیت سے ماخوذ ہے:

وَلَمَّا جَآءَ مُوسَىٰ لِمِيقَٰتِنَا وَكَلَّمَهُۥ رَبُّهُۥ قَالَ رَبِّ أَرِنِيٓ أَنظُرۡ إِلَيۡكَۚ قَالَ لَن تَرَىٰنِي وَلَٰكِنِ ٱنظُرۡ إِلَى ٱلۡجَبَلِ فَإِنِ ٱسۡتَقَرَّ مَكَانَهُۥ فَسَوۡفَ تَرَىٰنِيۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُۥ لِلۡجَبَلِ جَعَلَهُۥ دَكّٗا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقٗاۚ فَلَمَّآ أَفَاقَ قَالَ سُبۡحَٰنَكَ تُبۡتُ إِلَيۡكَ وَأَنَا۠ أَوَّلُ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ۔[3]

(جب وہ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر پہنچا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا تو اس نے التجا کی کہ اے ربّ، مجھے یارائے نظر دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھ، اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو البتہ تو مجھے دیکھ سکے گا۔ چنانچہ اس کے رب نے جب پہاڑ پر تجلّی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور مُوسیٰؑ غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو بولا پاک ہے تیری ذات، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلا ایمان لانے والا میں ہوں۔)

یہ مشہور واقعہ حضرت مُوسیٰؑ سے متعلق ہے، جس میں وہ اپنی آنکھوں سے رب کائنات کو دیکھنے کی التجا کی تو جواب آیا کہ آپ رب کائنات کو براہ راست نہیں دیکھ سکتے۔ البتہ تم اپنے رب کی تجلی کا مشاہدہ پہاڑ پر آنے سے اس پہاڑ کی طرف نظر کرو۔ تو موسیٰؑ اس تجلی کا سامنا بھی نہ کر پائے اور غش کھا کے گر پڑے۔

اسی طرح ذیل کا شعر قابل غور ہے:

تڑپ رہا ہے فلاطون میان غیب و حضور

---

[1] محمد بدیع الزماں، اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات اور آیات کے منظوم ترجمہ، ص 8

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص 71

[3] سورہ العراف: 143

ازل سے اہل خرد کا مقام ہے اعراف [1]

اس شعر میں یونانی فلسفی افلاطون (چوتھی صدی قبل مسیح) کے فلسفیانہ قضیے کا حوالہ ہے۔ اقبال نے تلمیح کا لفظ اعراف قرآن کی سورہ الاعراف سے لیاہے۔ قرآن میں مذکور اس مقام کو ان چوٹیوں یابلندیوں کے نام سے یاد کیا گیاہے، جو جنت اور دوزخ کے درمیان موجود ہیں۔ ان چوٹیوں پر وہ اصحاب موجود ہوں گے جو دونوں جانب ایک پردے کے فاصلے سے دیکھ سکیں گے۔ قرآن حکیم اصحاب اعراف کا تذکرہ سورہ اعراف کی آیت 44 سے لے کر آیت 50 تک موجود ہے:

وَنَادَىٰٓ أَصۡحَٰبُ ٱلۡأَعۡرَافِ رِجَالٗا يَعۡرِفُونَهُم بِسِيمَىٰهُمۡ قَالُواْ ---[2]

(اور اہل اعراف بہت سے آدمیوں کو جن کو کے ان کے قیافہ سے پہچانیں گے پکاریں۔۔۔)

ایک شعر میں قرآن کا لفظ الست، بطور تلمیح استعمال ہوا ہے:

مجاہدانہ حرارت نہ رہی صوفی میں
بہانہ بے عملی کا بنی شراب الست

الست کا لفظ ذیل کی آیت سے ماخوذ ہے:

وَإِذۡ أَخَذَ رَبُّكَ مِنۢ بَنِيٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَأَشۡهَدَهُمۡ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمۡ أَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡۖ قَالُواْ بَلَىٰ شَهِدۡنَآۚ أَن تَقُولُواْ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنۡ هَٰذَا غَٰفِلِينَ [3]

(اور اے نبی، لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے۔)

جیسا کہ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے یہ عہد الست، رب کائنات کے حضور، آدم کی پشتوں اور روحوں سے عہد لیا گیا تھا۔ رب کائنات کی کبریائی کو تسلیم کرنے کا، جس پر تمام حاضرین نے شہادت دی ہوئی تا قیامت اس مقدس عہد کی پاسداری کی۔

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص402

[2] سورہ العراف:48

[3] ایضاً:172

قرآنی تلمیحات بااعتبار ترجمہ آیات:

اس سلسلہ میں دیکھا جائے تو اقبال کے ہاں چار سو سے زائد اشعار ہیں جہاں قرآنی آیات منظوم ترجمانی کر دی گئی ہے۔ علامہ نے اپنی شاعری میں متعدد مقامات پر قرآن کی کسی ایک آیت یا دو آیات کا ترجمہ اپنے شعر میں پیش کر دیا ہے۔[1] مثال کے طور پر ذیل کا شعر ملاحظہ ہو:

میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تو نے
باوجود مجھ سے نہ اٹھا وہ اٹھایا تو نے[2]

یہ نظم خورشید اور شاعر کے درمیان مکالمہ کے طور پر ہے۔ دوسرے بند میں انسانی تخلیق کے مقاصد کو بیان فرمایا ہے اور انسان جو عشق کا صحیفہ کہاں ہے۔[3]

إِنَّا عَرَضْنَا ٱلْأَمَانَةَ عَلَى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا ٱلْإِنسَٰنُ إِنَّهُۥ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا[4]

(ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھالیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔)

ذیل کا شعر دیکھیں:

ہے میری ذلت ہی میری شرافت کی دلیل
جس کی غفلت کو ملک روتے ہیں وہ غافل ہوں میں[5]

اس شعر میں ذلت سے مراد حضرت آدم کا جنت سے نکالا جانا ہے۔ ذیل کی آیت کا مفہوم ہے:

---

[1] محمد بدیع الزماں، اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات اور آیات کے منظوم ترجمہ، ص9

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص87

[3] ایضاً، ص127

[4] سورۃ الأحزاب: 72

[5] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص132

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى [1]

(اور فرمایا"تم دونوں ﴿فریق، یعنی انسان اور شیطان﴾ یہاں سے اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ اب اگر میری طرف سے تمہیں کوئی ہدآیت پہنچے تو جو کوئی میری اس ہدآیت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہو گا۔)

شرافت سے مراد انسان کا دنیا میں خدا کا نائب بن کر خلیفتہ الارض کے منصب پر فائز کیا جانا ہے سورہ البقرہ میں بیان ہوا ہے۔ غفلت سے مراد حضرت آدم کا جنت سے شیطان کے بہکاوے میں آجانا ہے۔

کلام اقبال میں تلمیحات ترجمہ یا تلمیحات باعتبار مفہوم ایک ہی ہیں بعض جگہ پر کسی ایک آیت کا ایک ٹکڑا اس شعر میں استعمال ہوتا ہے تو دوسرے ہی بند میں کسی دوسری آیت کا ٹکڑا استعمال ہوتا ہے کلام اقبال میں تلمیحات باعتبار مفہوم کی تعداد بہت زیادہ ہے کیوں نکہ علامہ نے اپنی شاعری کی بنیاد ہی قرآن مجید کو ٹھہرایا اور پھر قرآن کے پیغام کو عام کرنے کی کوشش کی کہ نوجوان نسل قرآن سے ربط پیدا کریں اور اسلام میں دیے ہوئے احکامات پر عمل کرے اور دوسروں تک پہنچائے۔

قرآنی تلمیحات باعتبار مفہوم آیات:

قرآن کی آیات پر روشنی ڈالنے کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کی بہت سی آیات کو ایک خاص نظم کا موضوع بنایا ہے جس میں اکثر ایک نہیں بلکہ کئی آیات ہوں گی یہ طریقہ زیادہ تر ہر مجموعہ کی نظموں میں خاص کر وہ یورپ سے تعلیم حاصل کر کہ لوٹنے کہ بعد سے آخری وقت تک کی نظموں میں ہے۔ شمع اور شاعر، انسان اور بزم قدرت، ہر اک ذرہ میں ہے شاید مکیں دل، اقبال اور پیغمبری، اقبال پر کفر کا فتویٰ، طلاع اسلام, جواب شکوہ۔۔۔یہ وہ نظمیں ہیں جن میں علامہ نے قرآن کی مختلف آیات جو اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے۔اس میں ایک ہی شعر میں کہیں دفعہ دو سے زیادہ آیات کا معنی یا مفہوم بیان کیا ہے علامہ اقبال وہ پہلے اردو شاعر نے جنہوں نے قرآنی آیات کو انتہائی خوبصورتی کے ساتھ اپنے کلام میں سمویا ہے۔

[1] سورۃ طٰہٰ:123

باب چہارم: کلام اقبال میں قرآنی تلمیحات کا تفسیری جائزہ

فصل اول: تلمیحات قرآنی باعتبار لفظی کا تفسیری جائزہ

فصل دوم: تلمیحات قرآنی باعتبار معنی و مفہوم آیات کا تفسیری جائزہ

تلمیحات قرآنی باعتبار لفظی کا تفسیری جائزہ

علامہ اقبال کی شاعری میں ایسے بہت سے اشعار ملتے ہیں جن میں الفاظ قرآنی موجود ہیں۔ بعض مقامات پر اقبال نے کسی آیت کا حصہ ایک مکمل فقرہ اپنے شعر کا ایک حصے کے طور پر اپنے اشعار میں دیا ہے۔ ان تلمیحات کے مضامین اور سیاق وسباق کا جائزہ لے کر اندازہ کیا جائے تو یہ تلمیحات توحید، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، قصص قرآنی، اسلامی تصوف اور اسلامی سیاسیات کے موضوعات قرآنی سے متعلق ہیں۔[1]

مذکورہ بالا تلمیحات کا مطالعہ تفسیر قرآن کے اسالیب کی روشنی میں کیا جائے تو معانی کا ایک وسیع ذخیرہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ ذیل کی تحقیق میں طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ نشاندہی کی جائے کہ کوئی قرآنی تلمیح باعتبار لفظ کس شعر میں بیان ہوی ہے اور پھر قرآن کے اس مقام کی تفسیر علماء نے جو پیش کی اس کے تفسیری نکات کا تقابل، اقبال کے فہم قرآن سے کیا جائے۔

بشیری ،نذیری

افرنگ زخود بے خبرت کردو گرنہ
اے بندۂ مومن !توبشیری، تونذیری[2]

قرآن مجید کے یہ الفاظ بطور تلمیح ضرب کلیم کی نظم "آدم کا ضمیر اس کی حقیقت پہ ہے شاہد" میں بیان ہوئی ہے۔ اس شعر میں بندہ مومن خاطب ہے جو کہ امت مسلمہ کا فرد ہونے کے ناطے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلنے والا ہے اس کا مقام بہت بلند ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت ہونے کا لازمی تقاضا ہے کہ ایک مرد مومن بشیر ونذیر ہو اللہ کے پسندیدہ اور انسانوں کے لیے مفید کام کرنے والا خوشخبری دینے والا ہوں اور ناپسندیدہ اور نقصان دہ کام کرنے والا اپنے انجام کی وجہ سے تنبیہ کا حقدار ہے اقبال فرماتے ہیں کہ اے مسلمان اگر تو اپنی اقدار سے واقف جائے تو اے مرد مجاہد تو وہ شخص ہے جو اچھے کاموں اور اعتقادات پر دوسروں کو خوشخبری دینے والا ہے کہ اس کا انجام اچھا ہو گا اور برے کام تو انجام بد بھی ہو کر رہے گا اس پر وعید سنانا بھی مسلمان کا کام ہے-

[1] محمد بدیع الزماں، پروفیسر، اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات اور قرآنی آیات کے منظوم ترجمہ، ص 5

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر ضرب کلیم، کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور، سن اشاعت 1944، ص 166

لیکن صد افسوس کہ اہل مغرب کی تہذیب ، تمدن اور معاشرت کے اثرات میں تمہیں اپنے اقتدار سے اس قدر ناواقف بنادیا ہے کہ اب تو خود بھٹک گیا ہے اس لیے دوسروں کے لیے نہ بشیر ہے اور نہ نذیر۔ محولہ بالا شعر کی تشریح کرتے ہوئے، مولانا غلام مہر رسول لکھتے ہیں کہ:افسوس اے مومن !یورپ نے تجھے تیری حقیقت سے بے خبر کر دیا ہے وگرنہ تو ہی تو دنیا کو نیک کاموں کے اچھے اجر کی خوشخبری سنانے والا ہے تو ہی انہیں برے انجام سے ڈرانے والا ہے۔[1]

تفسیری جائزہ

قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں انبیاء کا لقب، بشیر (بشارت دینے والا) اور نذیر (خبر دار کرنے والا)، متعدد سورتوں میں بیان ہوا ہے۔ آیات یہ ہیں: سورہ البقرہ:119، الاعراف:188، ھود:2، الفرقان:52، الاحزاب:54 الفتح:8، مثال کے لیے ملاحظہ ہو:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِنَّآ أَرۡسَلۡنَٰكَ شَٰهِدٗا وَمُبَشِّرٗا وَنَذِيرٗا[2]

(اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)، ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر،)

قرآن کی تعلیمات کے مطابق پیغمبران خدا کو یہ حیثیت مبشر (اعمال حسنہ کے نتائج کی خوشخبری سنانے والا) اور بطور نذیر یا منذر (یعنی اعمال بد کے انجام سے متنبہ کرنے والا) مبعوث کیا جاتا ہے:

ۚ وَمَا نُرۡسِلُ ٱلۡمُرۡسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَۚ ---[3]

(اور ہم رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈر کی خبریں سنانے والے بنا کر ہی بھیجتے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو جو بنیادی کام سونپا وہ یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں کو بشارتیں دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سیدھے راستے سے روگردانی کرنے والوں کو اس کے عذاب سے متنبہ بھی کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک سبھی نے اس ذمہ داری کو بخوبی اور احسن انداز میں نبھایا ہے۔

---

[1]. غلام رسول مہر، مولانا، مطالب ضرب کلیم، چمن بک ڈپو، اردو بازار دہلی ص294

[2] سورہ احزاب:45

[3]سورۃ الکھف:56

لہٰذا، نبی آخر الزماں کے بارے میں قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس منصب کو بطور خاص بتایا گیا ہے کہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ خوشخبری سنائیں اور رب کعبہ کا خوف دلائیں اور یہ منصب نبوت کی بنیادی ذمہ داریوں میں آتی ہیں۔ اسی طرح قرآن کا مفصل پڑھیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دیگر انبیاء ورسولوں کی بھی یہ ذمہ داری تھی۔

امام رازی اس آیت کے پس منظر میں فرماتے ہیں:

هناك ترتيب حسن على كونه صلى الله عليه وسلم شاهدا ومبشرا ونذيرا ثم كونه صلى الله عليه وسلم داعيا إلى سبيل الله بالحكمة والموعظة الحسنة. وسراجا منيرا بمعنى مبرهنا على ما يقول بالحجاج والأدلة [1].

اس طرح آپ شاہد بھی ہیں اور مشہود بھی ہیں۔ ان امور کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور دوزخ کے شاہد ہیں میزان اور صراط کے شاہد ہیں۔

تفہیم القرآن میں مولانا مودودی بشیر ونذیر کی بحث میں لکھتے ہیں کہ:

ایمان اور عمل صالح کے نتائج کی بشارت دینا ایک بات ہے، لیکن کفر اور ظلم کے سنگین نتائج سے خبر دار کرنا دوسری بات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس شخص کو برکت دیتا ہے جو رسول اور نبی ہو۔ یہ بالکل مختلف چیز ہے۔ اللہ تعالی کی طرف سے اس عہدے پر مقرر ہونے والے شخص کو اپنے پیغامات اور تنبیہات کا حق حاصل ہونا چاہیے جس کی بنیاد پر اس کے پیغامات اور تنبیہات کی قانونی حیثیت ہو جاتی ہے۔ [2]

قرآن میں جہاں جہاں بشیری ونذیری کا ذکر آیا ہے مفسرین کرام نے اس کو منصب نبوت کے فریضہ کی ادائیگی کے مفہوم میں لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔ اور تائید باری تعالیٰ حاصل ہے اس کے انکار کرنے والا سزا کا مستحق ہو گا۔

---

[1] الرَّازي، فخر الدين، مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير، دار إحياء التراث العربي - بيروت، الثالثة - ١٤٢٠ جلد 25، ص 353

[2] سید ابو الاعلی مودودی، تفہیم القرآن، ترجمان القرآن لاہور، جلد اول ص 225

امین حسن اصلاحی تدبر قرآن میں اس آیت کی کی بحث میں لکھتے ہیں کہ: ہم نے تم کو حق دے کر اس لیے بھیجا ہے کہ تم قبول کرنے والوں کو نجات و فلاح کی خوش خبری سنادو اور اس کی تکذیب کرنے والوں کو اس کی تکذیب کے انجام بد سے ڈراؤ اس انداز و تبشیر کا فرض انجام دے دینے کے بعد تمہاری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے ان کی خواہشات پر معجزہ دکھانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے آپ سے فرض رسالت کی ادائیگی کی پرسش ہوں گی اس بارے میں ہر گز نہیں ہو گی یہ جہنم میں جانے والے جہنم میں کیوں گئے ہیں آپ پر ایمان کیوں نہیں لائے۔[1]

امت مسلمہ چونکہ آخری نبی کی امت ہے، اور نبی کریم کے بعد کسی اور نبی کو تا قیامت مبعوث نہیں ہونا، لہٰذا، اب یہ فریضہ بشارت و انذار، اہل ایمان کی ذمہ داری رہے گا، قرآن نے اسے شہادت حق کا نام دیا ہے:

لِيَكُونَ ٱلرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيۡكُمۡ وَتَكُونُواْ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِۚ [2]

(تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم تمام لوگوں کے گواہ بن جاؤ)

علامہ محمد اقبال نے اس تلمیح کا استعمال کر کہ مسلمان جو اس ذمہ داری کا احساس دلا رہے ہیں کہ نبوت کا دروازہ ہمیشہ کہ لیے بند ہو چکا ہے لہذا وہ کام جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہ السلام کے منصب کی ذمہ داری میں رکھے تھے اب اس کی ذمہ داری امت مسلمہ پر ہے ۔مسلمانوں کا اب یہ فریضہ ہے کہ ان کے کردار و اخلاق ہم آہنگ اور اس قدر بہتر ہوں کہ اس عظیم فریضہ کو سرانجام دیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا ہے علامہ ہر اس تہذیب و تمدن کی نفی کرتے ہیں جو ہمیں اس ذمہ داری سے بیگانہ کرتی ہے۔

1.اِنَّ وَعۡدَ اللهِ حَقٌّ

یہ 'لِسان العصر' کا پیغام ہے

اِنَّ وعدُ اللہِ حقٌ یاد رکھ[3]

یہ تلمیح ایک بار "بانگ درا کی نظم میں "گرچہ توزندانی اسباب ہے" کے عنوان سے آئی ہے۔یہ فقرہ کلام اقبال میں صرف ایک ہی بار استعمال ہوا ہے جس اس کے معنی فی الواقع اللہ کا وعدہ سچا ہے۔علامہ نے نظم کے شروع میں بیان فرمایا ہے کہ بے شک زندگی

[1] اصلاحی، امین احسن، تدبر القرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، 2009 جلد اول، ص، 302

[2] سورۃ الحج:78

[3] محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، شیخ غلام اینڈ سنز پبلشرز لاہور، 1982، طبع سوئم، ص 285

گزارنے کہ لیے اسباب بہت ضروری ہیں مگر ہمیں اپنے دل کو آزاد رکھنا چاہیے اور اعمال کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری پر رکھنی چاہیے اگر ہم دنیاوی متاع کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے لیے زندگی گزاریں گے تو بے شک اللہ تعالیٰ کے وعدہ سچا ہو گا۔

تفسیری جائزہ

قرآنی متن کا یہ فقرہ کئی سورتوں میں متعدد مقامات پر موجود ہے، اس کا مفہوم ہے کہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا وعدہ ہے۔ ملاحظہ ہو:[1]، ان آیات میں خدا تعالیٰ نے اپنے وعدے کا اعادہ کیا ہے روز محشر نیک عمل کرنے والوں کو جزا اور کفر اختیار کرنے والوں کو سزا دی جاہے گی۔

> اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ [2]
>
> (سنو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے سن رکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر انسان جانتے نہیں ہیں)

باری تعالیٰ یہ وعدہ فرمارہے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور جو بھی وعدہ ہے وہ پورا کو کر رہے گا اور وہ وعدہ کا سچا ہے

امین حسن اصلاحی اس آیت کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> اس میں توحید کے مضمون کی نسبت مذکورہ مضمون پر زیادہ زور دیا گیا ہے، اور لفظ "الا" خاص طور پر یہ بتاتا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کی ہے اور اس میں کسی کا حصہ نہیں۔ کوئی ملکیت یا شراکت داری کے تعلقات نہیں ہیں۔ اس کا ہر وعدہ ابدی ہے، وہی زندگی بخشنے والا ہے اور وہی مارنے والا ہے، ہمیں اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ اگر کسی نے یہ تجویز کیا ہے کہ یہ معاملہ اس کے مبینہ شر کا اور اس کے علاج سے جڑا ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس خامی کو درست کرے۔[3]

---

[1] سورہ یونس:55، سورہ لقمان:33، سورہ فاطر:5 سورہ المومنین:55، سورہ الجاثیہ:32، سورہ الاحقاف:17

[2] سورہ یونس:55

[3] امین احسن اصلاحی، تدبر القرآن، ص،66

علامہ نے اپنی شاعری میں یہ تلمیح باری تعالیٰ کا جو وعہد ہے وہ حق ہے اور مکمل ہو کر رہے گا تلمیح کی تشریح میں آخرت کا وعدہ مراد لیتے ہیں۔ شارح اقبال، غلام مہر رسول اس نظم کی شرح میں لکھتے ہیں: اے مسلمان، تو خدا اور سول کے احکام پر پوری طرح عمل کر پھر تجھے دنیا میں ترقی کی سب سے اونچی چھوٹی پر جگہ ملے گی۔[1] اس ہی طرح پروفیسر سلیم یوسف چشتی اس کی شرح بیان کرتے ہیں کہ:

رب العالمین اور نبی آخر الزماں کی فرمابرداری کرتا ہے تو اللہ اپنا وعدہ پورا فرمائے پھر تجھے سروری حاصل ہو جاہے گی۔ جب ہم اللہ کی اطاعت کریں گے تو اللہ ان مواعید کو ایفا فرمائے گا[2]

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علامہ کی مراد دونوں وعدے ہیں رب العالمین کا وہ وعدہ جو اطاعت و فرمانبرداری کے بدلے دنیا میں ثروت و مقام عطا فرمانا اور دوسرا وہ وعدہ جو آخرت میں کامیابی عطا فرمانا دونوں ہی مراد ہیں۔

2. ورفعنالک ذکرک

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَک دیکھے[3]

اقبال نے اس آیت کے اصلاح کے طور پر جواب شکوہ کے بند چونتیس میں پیش کی ہے۔

غلام مہر رسول اس بند کی تفسیر کرتے ہیں کہ:

یہ پاک ذات جنگل میں پہاڑوں کے دامن میں، میدان میں، لہر کی گود میں ہر جگہ موجود ہے۔ مراکش کے بیابانوں تک اس کی آواز ہر جگہ بلند ہے۔ یہی نام مبارک مسلمانوں کے ایمان میں چھپا ہوا ہے اور یہ تصویر رہتی دنیا تک رہے گا اور قوموں کو نظر آتا رہے گا ورفعنا لک ذکرک کی شان کتنی بلند ہے۔[4]

---

[1] غلام مہر رسول، مطالب بانگ درا، ص، 538.

سلیم یوسف چشتی، پروفیسر، بانگ درا مع شرح، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی، 1991ء ص[2]770

[3] محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، ص، 199

[4] ایضا، ص395

علامہ محمد اقبال نے نبی آخر الزماں کی شان اقدس کو بیان کیا ہے جب تک دنیا قائم ہے آپ کا نام اور چرچہ ہو گا کیونکہ یہ رب کعبہ نے بلند کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں کو یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ اگر آپ لوگ بھی کامیاب و کامران ہونا چاہتے ہیں تو دامن رسول میں پناہ لے لو اور آپ کی اتباع و اطاعت ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔

تفسیری جائزہ

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ[1](اور تماری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا) سورہ الانشراح کی چوتھی آیت ہے۔ یہ سورہ مکی سورہ ہے جس میں نبی آخر الزماں نے دعوت دین کا تذکرہ ہے۔ جب آپ نے لوگوں کو ایک اللہ کی طرف بلانا شروع کیا تو کفار مکہ کی جانب سے سخت سختیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں کو حوصلہ دینے کہ لیے یہ سورہ نازل فرمائی جس میں تین نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک شرح صدر کی برکت اور دوسری نعمت آپ کے کندھوں سے وہ بوجھ اٹھا لیا جس نے آپ کے نبی ہونے سے پہلے آپ کی کمر کو تکلیف دی تھی۔

تیسری نعمت کو یاد کر جو تیرے سوا کسی کو نہیں دی گئی۔ اس کے بعد رب العالمین اپنے بندے اور اپنے رسول سے فرماتا ہے کہ اس وقت جس مصیبت کا تم سامنا کر رہے ہو وہ سخاوت کی وجہ سے زیادہ دیر نہیں چلے گا۔ اس کا ذکر سورہ زہرا میں ہے۔ "ہر آنے والا زمانہ آپ کے لیے پچھلی عمر سے بہتر ہو گا، اور عنقریب آپ کا رب آپ کو خوش کر دے گا۔" مولانا مودودی اس آیت کے پس منظر میں لکھتے ہیں:

> کفار مکہ نے آپ کے خلاف سازش کی کہ جو کوئی بھی مکہ میں آتا اس کو آپ کے بارے میں بدگمان کرتے تھے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا وہ لوگ اپنے اس عمل سے آپ کا چرچہ پورے عرب نما جزیرے میں کر رہے تھے اور جب وقت یہ آیت نازل ہوئی کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ کا ذکر اتنا بلند و بالا ہو جاہے گا اس

[1] سورہ الم نشرح:4

کے ساتھ وہ اس آیت کی تشریح بیان کرتے ہیں کہ نے نبی اخر الزماں نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو گا وہاں کا بھی ذکر ہوں گا۔[1]

علامہ امین حسن اصلاحی اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ:

یعنی ہم نے نبی اخر الزماں کی یاد کو بڑھایا نہیں جیسا کہ پہلی آیات میں تائید اور حوصلہ افزائی کے لیے کہا گیا ہے، یہاں بھی وہی ہے، یعنی تقویت اور حوصلہ افزائی کے لیے اللہ آپ کی یاد کو ہر جگہ پھیلا دیتا ہے اور ہر جگہ آپ کا ذکر ہے۔ نہ صرف عربوں کی طرف سے بلکہ دور دراز کے قبائل میں بھی، بلکہ دوسرے ہمسایہ ممالک میں بھی، اور یہ تصور کرنا مشکل نہیں تھا کہ یہ آواز جابرانہ نہیں ہے، بلکہ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب ہر زبان پر آپ کا نام ہو گا[2]

علامہ اقبال نے بھی قرآن کی اس آیت کو جواب شکوہ میں بیان کر کہ امت مسلمہ کو یہ پیغام دیا کہ قیامت تک ہر قوم دیکھے گی کہ آپ ذکر بلند ہے اور رہے گا اگر ہم لوگ کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اطاعت و اتباع رسول کر کہ وہ مقام حاصل کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو دیا ہوا ہے۔

3.رَبِّ اَرِنِی ،لَنۡ تَرٰىنِیۡ

علامہ نے یہ دونوں تلمیحات سورۃ الاعراف میں مذکور واقعہ طور سے اخذ کی ہیں۔ یہ واقعہ پیغمبر خدا کی طرف مشاہدہ حق کی تمنا، اس کے اظہار اور نتیجے سے متعلق ہے، قرآن میں آتا ہے:

وَلَمَّا جَآءَ مُوسَىٰ لِمِيقَٰتِنَا وَكَلَّمَهُۥ رَبُّهُۥ قَالَ رَبِّ أَرِنِيٓ أَنظُرۡ إِلَيۡكَۚ قَالَ لَن تَرَىٰنِي وَلَٰكِنِ ٱنظُرۡ إِلَى ٱلۡجَبَلِ فَإِنِ ٱسۡتَقَرَّ مَكَانَهُۥ فَسَوۡفَ تَرَىٰنِيۚ[3]

---

[1] سید ابوالاعلی مودودی، تفہیم القرآن، ترجمان القرآن لاہور، 1368ھ جلد ششم ص، 375

[2] اصلاحی، امین حسن، تدبر القرآن، فاران فائونڈیشن لاہور، 2009، جلد نہم ص 426

[3] سورہ العراف: 143

(جب وہ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر پہنچا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا تو اس نے التجا کی کہ اے ربّ، مجھے یارائے نظر دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھ، اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو البتہ تو مجھے دیکھ سکے گا۔)

رب ارنی: اقبال نے، مشاہدہ حق کے مطالبہ **(رب ارنی)** اور اور اس کے جواب **(لن ترانی)** کو استعارے کے طور پر اپنی شاعری میں کئی مقامات پر مختلف مفاہیم اور پیرائے میں استعمال کیا ہے۔ مثلاً بانگ درا میں ہے:

قصّۂ دار و رَسَن بازیِ طفلانۂ دل
التجائے 'اَرِنی' سُرخیِ افسانۂ دل[1]

یہ شعر بانگ درا کی نظم "دل" میں موجود ہے یہ نظم عوام میں "فریادِ اُمّت" کے نام سے مشہور ہوئی ہو کر شائع ہوئی۔

اس نظم کے عنوان کے بارے میں پروفیسر سلیم یوسف چشتی لکھتے ہیں کہ:

اس نظم میں دل وہ گوشت نہیں ہے جو ہر کسی کی خواہش کے مطابق ہو جائے بلکہ وہ روشنی ہے جو محبت کا مرکز ہے۔ اقبال کا ذہن یہاں عشق کی ادراک یا قوتِ عشق کی طرف اشارہ کرتا ہے جو عقل کے برعکس ہے۔۔[2]

التجا اتنی سرخی افسانہ دل یعنی عاشق کی داستان حیات کا عنوان یہی ہے کہ وہ دیدار الہٰی کو زندگی کا خلاصہ سمجھتا ہے علامہ اقبال اس شعر میں ارنی کی تلمیح تصوف و طریقت کو موضوع میں لا رہے ہیں جس میں پہلا واقعہ منصور حلاج اور دوسرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے اور یہ بتانا چارہے ہیں کہ اللہ کے بندے کا عشق انبیاء اور محبت کا خلاصہ دراصل دیدار الہٰی ہی ہے۔

بال جبریل میں ہے:

اَرِنی' میں بھی کہہ رہا ہوں، مگر
یہ حدیثِ کلیمؑ و طُور نہیں[3]

---

1 محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، ص 61

2 سلیم یوسف چشتی، پروفیسر، بانگ درا مع شرح، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی، 1991ء ص 150

قرآن مجید کہ یہ الفاظ بطور تلمیح بال جبرائیل کی نظم "عقل گو آستاں سے دور نہیں" میں موجود ہیں۔اس نظم میں عقل، عشق، علم، جیسے موضوعات کو زیر بحث لایا ہے اس میں اللہ اور بندے کا تعلق کو بیان کیا یہ شعر اس نظم کا آخری شعر ہے اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر التجا کی تھی کہ اے رب مجھے اپنا دیدار کروادے۔

اس شعر کی تشریح غلام مہر رسول بیان کرتے ہیں کہ:

ارنی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر واقعہ طور کی طرح نہیں جس میں عاشق دیدار کی تاب نہ لا سکا اور بے ہوش ہو گیا اس کے بر عکس دیدار کے خواہش کو میں بھی رکھتا ہوں مگر پورے ہوش و خواس کے ساتھ دیدار الٰہی کرنا چاہتا ہوں۔[1]

دوسرے مقام پہ اقبال نے کہا:

تھا اَرِنی گو کلیم، میں اَرِنی گو نہیں
اُس کو تقاضا روا، مجھ پہ تقاضا حرام[2]

کلام اقبال میں یہ تلمیح بال جبرائیل کے پہلے حصہ میں "فرنگ عیش جہاں کا دوام" میں آئی ہے علامہ نے یہ کلام فرانس میں لکھا جہاں مغربی تہذیب پر بات کی اور اس نظم کے وسط میں حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر جا کر رب ذوالجلال سے جلوہ نمائی کا تقاضا کیا تو اس کا ایک جواز تھا کہ وہ مقربین خداوندی میں سے تھے۔اس کے بر عکس میں تو ایک ادنیٰ انسان ہوں۔میں خدا سے جلوہ نمائی کا تقاضا کیسے کر سکتا ہوں۔میں تو کسی طور پر بھی اس کا اہل نہیں۔

پروفیسر سلیم یوسف چشتی بیان کرتے ہیں:

---

[3] محمد اقبال، ڈاکٹر، بال جبرائیل، اقبال اکادمی پاکستان، ص80

[1] غلام مہر رسول، مطالب بال جبرائیل، چمن بک ڈپو اردو بازار دہلی، ص103

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، بال جبرائیل، اقبال اکادمی پاکستان، ص90

اس شعر کی دو توجیہات ہو سکتی ہیں پہلی یہ کہ حضرت موسیٰؑ کا تقاضہ اطمینان قلب حاصل کرنا چاہتے تھے اور دوسر یہ کہ علامہ اپنی عاجزی کو بیان کرتے ہیں کہ میں گنہگار بندہ اس درخواست کا حق بھی نہیں رکھتا یا کیا میری مجال اتنی بھی نہیں کہ حرف تمنا زبان پر لا سکوں دیدار کی درخواست سے پہلے دیدار کی طاقت تو پیدا کر لوں۔ [1]

لن ترانی؛

ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سُنا چاہتا ہوں [2]

یہ قرآنی تلمیح بانگ درا کی مشہور نظم "تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں" میں آئی ہے۔ علامہ کی یہ نظم ایک محب کا اپنے محبوب کے نام پیغام ہے اور اس میں علامہ اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں مالک تیرے لیے ہی زندگی گزارنا چاہتا اور اپنی محبت کا مرکز و محور اللہ کی ذات کو ہی بنانا چاہتے ہیں یہ شعر اس نظم کا چوتھا شعر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چند کہ دل کی دنیا مختصر سی ہے لیکن اس میں خواہش ہے کہ بار بار اپنے عاشق سے ملنے کا وعدہ سنوں اور پھر انکار۔

اسی طرح بانگ درا کے حصہ دوم کی غزلیات میں کہا:

صدائے لن ترانی سن کے اے اقبال میں چپ ہوں
تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے مارے میں [3]

نظم کا عنوان پہلا مصرعہ "چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں" ہے۔ یہ نظم بھی علامہ کی تمنائے دیدار الٰہی سے بھرپور ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا رنگ ہر حصے میں موجود ہے، مقطعے میں اقبال گویا ہوئے دیدار الٰہی کے شوق اور فرقت کی بے بسی میں تقاضائے دید بھی نہیں کر سکتا کیوں کہ یہ صدا الگ ہو چکی ہے کہ محبوب رب کو دیکھا نہیں جا سکتا۔

غلام مہر رسول اس شعر کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

---

[1] سلیم یوسف چشتی، پروفیسر، بال جبرائیل مع شرح، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی، 1977، ص435

[2] ایضاً، بانگ درا، ص108

[3] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو ص272

جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے رب ارنی سے پوچھا کہ "اے خدا، مجھے اپنی شان دکھا" کا مطلب کیا ہے، تو جواب ملا: لن ترانی موسیٰ، آپ ہماری شان کا نظارہ برداشت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح لن ترانی کی باتیں سن کر میں خاموش رہا۔ کیونکہ میں خدائے بزرگ وبرتر سے جدائی کی وجہ سے اس قدر تاریک ہو گیا ہوں کہ میں اپنے محبوب سے ضروری نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھے اپنا جلال دکھائے۔[1]

ضرب کلیم کا شعر ہے:

خاموش ہے عالمِ معانی

کہتا نہیں حرفِ لن ترانی[2]

ضرب کلیم کی نظم خاقانی، جس میں فارسی کے مشہور شاعر حکیم خاقانی (1120-1190) اور ان کی تصنیف تحفتہ العراقین کا ذکر ہے۔ خاقانی نے اپنے حج کے سفر کے حالات اور کیفیات کا شاعرانہ اظہار کیا ہے۔ اس نظم میں خاقانی سے دنیا کے بارے میں سوال کیا گیا ہے کہ دنیا کیسی ہے جس کا جواب ان کی زبانی یہ دیتے ہیں کہ یہاں انسان مر چکا ہے اور شیطان زندہ ہے۔

شعر میں اس حقیقت کی نشاندہی ہے کہ معانی یا حقیقت کا عالم (جاننے والا، علم والا) شخص حقیقت حال پوچھنے پر خاموش رہتا ہے اور خواہ مخواہ شیخی نہیں بگھارتا؛ خالی ڈھول آواز دیتے ہیں، بھرے برتن سے آواز نہیں آتی۔ خاقانی نے بھی ڈینگیں نہیں ماریں بلکہ حقیقی جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے طالب اب نہیں رہے جو یہ حرفِ لن ترانی سنے بلکہ اب انسان مر چکے اور شیطان کا راج ہے۔[3]

لن ترانی ایک اور خوبصورت اظہار اقبال کے ہاں بال جبریل، حصہ غزلیات میں یوں ہے:

کھلے جاتے ہیں اسرار نہانی

گیا دور حدیث لن ترانی

ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار

---

[1] غلام مہر رسول، مولانا، مطالب بانگ درا، ص220

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص561

[3] ایضا، ص204

وہی مہدی وہی آخر زمانی[1]

اس رباعی کے مطابق اب وہ دور آگیا ہے جب کائنات کے تمام راز ہائے سربستہ کھلے چلے جارہے ہیں۔ اب وہ زمانہ بھی نہیں رہا کہ حضرت موسیٰ کی طرح جواب ملے لن ترانی یعنی تم ہمارا جلوہ نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ بقول اقبال اب تک تو صورت حال اس مرحلے تک آپہنچی ہے کہ جو شخص بھی اول خودی کی معرفت حاصل کر سکا وہی مہدی آخر الزمان ٹھہرے گا۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جب دنیا بے حیائی اور فحاشی سے بھر جائے گی تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ مہدی کو مبعوث فرمائے گا جو جھوٹ کی قوتوں کو نیست و نابود کر دے گا۔ اسلام کا ڈنکا پھر سے بجے گا۔ وہ ان کی آمد آخری زمانے کا مجدد سمجھتے ہیں۔ اقبال نے اسے "مہدی" اور " آخر زمانی" کے عنوان سے یاد کیا۔ ان کے مطابق انسان اپنے حقیقی مقام کو خود معرفت کے ذریعے پا سکتا ہے، آخر زمانہ کے مہدی کا انتظار کرنے کی بجائے مومن کو اپنی حقیقت خود جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ارمغان حجاز کی نظم، تصور و مصور، حدیث لن ترانی کا تذکرہ ذیل میں ملاحظہ ہو:

خبر، عقل و خرد کی ناتوانی

نظر دل کی حیاتِ جاودانی

نہیں ہے اس زمانے کی تگ و تاز

سزاوارِ حدیثِ لن ترانی[2]

اس نظم میں تصویر اور تصور کے دو کردار علامتی اور استعاراتی انداز میں پیش کیے گئے ہیں تصویر سے مراد انسان ہے اور مصور سے مراد خدا۔ اس پوری نظم میں انسان اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخاطب ہوا ہون کہ مجھے خبر پر یقین ہے کہ تو موجود ہے مگر میں آپ کا دیدار کر کہ دل کو ہمیشہ کہ لیے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ اگلے شعر میں علامہ مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اس زمانے میں جہاں عقل کی ہوا چلی ہے اب دیدار عام ضروری ہے اب لن ترانی کہ کے مجھے نہ ٹھکرایا جاہے۔ اس نظم کی آگہی رباعی میں علامہ

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، بال جبرائیل، ص40

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، ازمغان حجاز، ایجوکیشن بک ہاؤس علی گڑھ، ص18

خود ہی جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان میں تیرے اندر موجود ہوں اپنی تخلیق پر غور کر اور اپنی خودی کو مضبوط کر پھر تجھے میرا دیدار بھی حاصل ہو جاہے گا۔

تفسیری جائزہ

علامہ نے یہ دونوں تلمیحات سورہ الاعراف میں مذکور واقعہ طور سے اخذ کی ہیں

وَلَمَّا جَآءَ مُوسَىٰ لِمِيقَٰتِنَا وَكَلَّمَهُۥ رَبُّهُۥ قَالَ رَبِّ أَرِنِيٓ أَنظُرۡ إِلَيۡكَۚ قَالَ لَن تَرَىٰنِي وَلَٰكِنِ ٱنظُرۡ إِلَى ٱلۡجَبَلِ فَإِنِ ٱسۡتَقَرَّ مَكَانَهُۥ فَسَوۡفَ تَرَىٰنِيۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُۥ لِلۡجَبَلِ جَعَلَهُۥ دَكّٗا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقٗاۚ فَلَمَّآ أَفَاقَ قَالَ سُبۡحَٰنَكَ تُبۡتُ إِلَيۡكَ وَأَنَا۠ أَوَّلُ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ[1]

(جب وہ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر پہنچا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا تو اس نے التجا کی کہ اے ربّ، مجھے یارائے نظر دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھ، اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو البتہ تو مجھے دیکھ سکے گا۔ چنانچہ اس کے رب نے جب پہاڑ پر تجلّی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو بولا پاک ہے تیری ذات، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلا ایمان لانے والا میں ہوں)۔

اس آیت میں حضرت موسیٰؑ کی خواہش کو بیان کیا جارہا ہے جو انھوں نے اللہ سبحان و تعالیٰ سے کہ تھی۔ مولانا عبد الرحمان کیلانی اس کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ تعالی سے گفتگو کی کہ اس وقت ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کاش میں اللہ تعالی کا دیدار کر سکوں اسی خوشی کے عالم میں انہوں نے اللہ سے التجا کی مجھے اپنے دیدار کروائیں اللہ نے موسیؑ کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا اس لیے ارشاد فرمایا میں پہاڑ پر تجلی کرتا ہوں اگر تو وہ برداشت کر سکا تو پھر تجھے اپنا

[1] سورہ العراف:143

دیدار کرواؤں گا جب پہاڑ پر تجلی کی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسی بے ہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے توبہ کی اقرار کیا دنیامیں میں اس آنکھ سے دیدار الہی ناممکن ہے۔[1]

دیگر مفسرین بھی اس آیت کی تفسیر یہی بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا التجا کرنا فرت محبت میں تھا کیونکہ جب بھی وہ اللہ سے ہم کلام ہوتے تو ان کے دل میں یہ خواہش ضرور ہوتی اور کوہ طور پر انھوں نے ہمت کر کہ التجا کی کہ محب اپنے محبوب کا دیدار کی درخواست کرتا ہے مگر جب وہ بے ہوش ہو گئے تو اس کے بعد وہ سمجھ گئے ان فانی دنیامیں دیدار الہی ممکن نہیں ہے

علامہ محمد اقبال نے اپنے کلام میں رب ارنی تین سے زاید جگہ استعمال کی ہے اور لن ترانی کہ تلمیح پانچ جگہ استعمال کی ہے ارنی ک تلمیح جہاں جہاں علامہ نے بیان کی ہے وہاں وہاں وہ اللہ تعالیٰ سے التجا کر رہے ہیں کہ موسی علیہ السلام کی طرح ہمیں بھی ہمت و توفیق دیں کہ یہ التجا کر سکے اس کے بعد لن ترانی کی اصلاح اقبال کے ہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان مقالمہ ہے جہاں اقبال خود ہی سوال اور خود ہی جواب دیتے ہیں اقبال نے جہاں جہاں التجا کی وہاں یہ بھی دعا کی کہ میں تجلی دیکھ کر بے حوش نہیں ہونا چاہتا بلکہ دیدار الہی کرنا چاہتا ہوں۔ علامہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر کوئی آج بھی رب ارنی کا طلب گار ہے تو وہ اپنی خودی کو مضبوط کر کہ اس نغمہ کو گاہ سکتا ہے اور ممکن ہے جواب لن ترانی کے بجاہے دیدار عام ہو جاہے

4.یَحۡزَنُوۡنَ

بال جبریل کی دعائیہ رباعی ہے:

عطا اسلاف کا جذب دروں کر
شریک زمرہ لایحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر[2]

[1] عبد الرحمن کیلانی، مولانا، تیسیر القرآن، مکتبہ اسلامیہ لاہور، جلد دوم، ص94
[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، بال جبرائیل،، ص30

قرآن مجید کے الفاظ یَحۡزَنُوۡنَ، بال جبرائیل کے حصہ اول میں وارد ہوئے ہیں۔ اس رباعی میں اقبال مالک حقیقی سے استدعا کرتے ہیں کہ انہیں صدر اول کے مسلمانوں جیسا سوز و گداز میسر نہیں اور ایسی صالحیت سے بھی محروم ہیں، مگر دعا گو ہوں کہ خداوندا! مجھے بھی سچی محبت کا جذبہ عطا فرما جس میں میرے بزرگوں کو فخر تھا اور جس سے وہ اپنے حریفوں کو پیچھے چھوڑ دیتے تھے۔ ملا مجھے حکمت اور علم کی پہیلیوں کو سلجھانے کے لیے ہر قسم کے رنج و غم سے نجات عطا فرمائے۔ اب مجھے صرف وہ جذبہ عطا فرما، جو سچی محبت کا سرمایہ ہے، جس کے ذریعے کسی کو یہ احساس ہو سکے کہ سر جنی ایمان کے مالک ہیں جو محبت کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔۔ اقبال کا اشارہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 165 کی طرف ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ[1] (ایمان والے سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔)

علامہ اقبال کو فکر لاحق ہے کہ آج کے مسلمانوں میں جذب دروں اور صاحب جنوں جیسی صفات نہ ہونے کے برابر ہیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں کی حقیقت پر کاہ کے برابر بھی نہیں رہی۔ بال جبرائیل کی ہی دوسری رباعی میں فرماتے ہیں:

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج دل پریشاں سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے[2]

تفسیری جائزہ۔

قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے بن جانے والے اہل ایمان ایسے مرتبے کو پالیتے ہیں جہاں انہیں رنج و غم اور حزن والم سے چھٹکارہ نصیب ہو جاتا ہے۔ قرآن میں یہ بشارت اور اس کی بنیادی شرائط کئی مقامات پر وارد ہوئی ہیں۔ سورہ البقرہ 37: ، اٰلعمران:170، المائدہ 29،الانعام 48، الاعراف:35، یونس ،26، الزمر:21، حم السجدہ،30، الزخرف 28،اور الاحقاف:13 میں واضح موجود ہیں۔ نفس مضمون کو سامنے رکھے تو قرآن کی دو آیات سامنے آتی ہیں:

---

[1] سورہ البقرہ: 165

[2] ایضا، ص 31

وَمَا نُرۡسِلُ ٱلۡمُرۡسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَۖ فَمَنۡ ءَامَنَ وَأَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ[1]

(ہم جو رسول بھیجتے ہیں اسی لیے تو بھیجتے ہیں کہ وہ نیک کردار لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والے اور بد کرداروں کیلیے ڈرانے والے ہوں۔ پھر جو لوگ ان کی بات مان لیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لیں ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔)

گویا خدا کے پیغمبر فرمانبرداروں کو ان عظیم نعمتوں اور انعامات کی خوشخبری سنا رہے ہیں جو خدا نے ان کے لئے جنت کی صورت تیار کر رکھی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ تم ایسا کر رہے ہو۔ ایمان اور عمل صالح سے آراستہ شخص مستقبل کی فکر نہیں کرتا اور جو کچھ ادھورا چھوڑا اور حاصل نہ کیا اس پر غم نہیں کرتا۔ دونوں جہانوں میں خدا ان کا نگہبان اور محافظ ہے۔ دونوں جہانوں کے رب کی حیثیت سے ایسے لوگ بابرکت ہوتے ہیں اور اللہ کے اولیاء کا درجہ حاصل کرتے ہیں اور غم سے محفوظ رہتے ہیں۔

أَلَآ إِنَّ أَوۡلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ [2]

(آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔)

یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کی صفات رکھتے ہیں۔ وہ نہ مستقبل سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی ماضی سے پریشان ہیں۔ یہ ایک ایسی نعمت ہے جس کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ آج کی دنیا میں، ہر کوئی، چاہے وہ کتنا ہی امیر کیوں نہ ہو، ہمیشہ اپنے ساتھ دائمی خوف اور ماضی کی پریشانیاں لے کر چلتا ہے۔ یہ نعمت صرف جنت میں مل سکتی ہے جہاں لوگ ہر طرح کے خوف اور نقصان سے بالکل آزاد ہوں۔

علامہ اقبال نے اپنے کلام میں یہ تلمیح دعا کی صورت میں لائے ہیں کہ اے اللہ مجھے اسلاف کی طرح محبت و عشق میں ان لوگوں میں شمار ہونے کی توفیق عطا فرما جو تیرے دوست ہیں اور ان دوستوں کو نہ خوف ہے نہ ہی غم ہے دیگر مفسرین نے بھی ان دونوں آیات کی تشریح یہی ہی بیان کی کہ اللہ کے دوست خوف اور غم نہیں رکھتے اور یہ وہی لوگ ہوتے جن کو آپؐ خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے

---

[1] سورہ الانعام: 48

[2] سورہ یونس: 62

ہیں تو اس کے بعد اصلاح کر لیتے پھر وہ جنت جہنم اور دنیاوی زندگی کا خوف نہیں رکھتے بلکہ ہر وقت محبوب کی اطاعت کرنے میں گزارتے ہیں۔

5. الست

ضرب کلیم میں ہے:

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صُوفی میں
بہانہ بے عملی کا بنی شراب الَست [1]

"شراب الست" کی اصطلاح اقبال کی اپنی تشکیل ہے، جبکہ قرآن کا لفظ الست، اللہ تعالی کے ساتھ انسان کے اس مقدس عہد کا اشارہ ہے جو سورہ اعراف میں موجود ہے، جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسانی پشتوں اور روحوں سے الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کی صورت میں عالم بالا میں قائم کر رکھا ہے۔

کلام اقبال میں یہ تلمیح ضرب کلیم میں نظم شکست، میں استعمال ہوئی ہے میں علامہ اقبال مسلمانوں کے لیے ناکامی کا صحیح مفہوم بیان کر کہ یہ واضع کرتے ہیں کہ قومیں زندگی بھر کیوں ناکام رہتی ہیں اور ان کے اخلاق کی تباہی کی وجہ جہاد فی سبیل اللہ سے دور رہنا اور بہت سے غیر اسلامی عقدے راسخ ذہنوں میں پیوست ہیں جس کی وجہ سے امت آج ناکام ہے پروفیسر سلیم یوسف چشتی لکھتے ہیں کہ:

> یہ کچھ صوفیا کی بے عملی کا پروانہ مل گیا۔ اس طرح اپنی کوٹھڑی تک محدود رہ کر خدا کے بارے میں سوچو اور دُنیا سے بے خبر رہو۔ اگر کوئی پوچھے کہ تمہارا عمل کیا ہے تو بتاؤ کہ ہم نے جامِ الَست پی کر کائنات سے واقف نہیں ہیں۔ دنیا سے کٹ کر رہ جانا اور رہبانیّت کے روپ میں رہنا سراسر غلط اسلامی تصوف ہے۔[2]

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص551

[2] سلیم یوسف چشتی، پروفیسر، ضرب کلیم مع شرح، ص143

اقبال کے نزدیک قوم کی تقدیر کا تعین اس کے کردار کی طاقت سے ہوتا ہے۔ لیکن آج کے مسلمان جو قرآن کے ذریعے "دنیا کے حکمران" بن سکتے ہیں، ان کو کامیابی کے لیے سب سے آگے ہونا چاہیے، لیکن انہوں نے اس کے برعکس کیا اور دنیا کو چھوڑ کر فضول خرچ کی۔ یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن کی پیروی کریں، اور جانفشانی کے ساتھ زندگی کی مشکلات کا مقابلہ کریں، اور امت اسلامیہ کی بقا اسی پر منحصر ہے۔۔

تفسیری جائزہ

وَإِذۡ أَخَذَ رَبُّكَ مِنۢ بَنِيٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَأَشۡهَدَهُمۡ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمۡ أَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡۖ قَالُواْ بَلَىٰ شَهِدۡنَآۚ أَن تَقُولُواْ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنۡ هَٰذَا غَٰفِلِينَ[1]

(اور اے نبی، لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے۔)

عبد الرحمن کیلانی اس کی شرح بیان کرتے ہیں کہ:

یہ واقعہ ایک تمثیل نہیں بلکہ حقیقت ہے جو بدنی تخلیق سے پہلے حضرت آدم کی خلافت کے متعلق تھا اللہ تعالی فرشتوں سے دو چیزوں کا اقرار لازمی چاہتا تھا ایک یہ کہ کائنات کا خالق اللہ تعالی ہے دوسرا یہ کہ جس کو جتنا علم دیا جائے گا اس کو کمال کی حد تک پہنچائے گا یہ اس لیے ضروری تھا کہ اللہ تعالی نے دنیا میں انسان کو خلافت دینی تھی اس لیے یہ بنیادی حقیقت بنی آدم کی تمام روحوں میں پیوست کر دی گئی۔[2]

---

[1] سورہ العراف: 172

[2] عبد الرحمان گیلانی، مولانا، تیسیر القرآن، جلد دوم، ص 114

اقبال قرآن کے یہ الفاظ سے باور کروانا چارہے ہیں کہ وہ ایک وعدہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے لیا تھا تم لوگ کے نزدیک عملی تفسیر یہ ہے کہ خانقاہوں میں بیٹھ کر یہ بیابانوں جنگلوں میں جا کر زندگی گزروں تو یہی وجہ تماری شکست کی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان سے یہ عہد اس لیے لیا تھا کہ قیامت کا اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی رہے گی اصل وعدہ تب وفا ہوں گا جب تم لوگ عملی طور پر دین اسلام کے لیے جہد وجہد کرے گے اور بندہ مومن اور حرارت سے بھرپور زندگی گزارتا ہے۔

6.خلق عظیم

آہ وہ مردانِ حق !وہ عَربی شہسوار حاملِ

خُلقِ عظِیم ، صاحبِ صدق ویقیں [1]

قرآن مجید کہ یہ الفاظ کلام اقبال میں جبرائیل کی نظم مسجد قرطبہ میں بیان ہوئی ہے اندلس میں مسلمانوں کا عظیم دور اور اس میں ہونے والی تعمیرات اور علمی اور فنی ترقی کو واضح کرتی ہے۔جب وہ ہپانیہ کے دورے پر تھے تب یہ نظم لکھی تھی۔

غلام مہر رسول اس کی شرح بیان کرتے ہیں کہ:

> جو مردان حق جن کی بدولت ہسپانیہ میں مسلمانوں کے عروج کا آغاز ہوا وہ لوگ انتہائی شفیق تخلیق کار، پاکیزہ ،نڈر، اور سچے تھے اور ان خوبیوں کی بنا پر اللہ تعالی نے ان کو یہ مقام عطا فرمایا تھا[2]

اس ہی طرح سلیم یوسف چشتی اس کی شرح بیان کرتے ہیں:

> آہ، عربی شورویروں، خدا کے خالص بندے، پیغمبرانہ اخلاقیات کے نمونے۔ درحقیقت ایمانداری، انصاف اور خدمت خلق بہت ضروری تھی۔ اقبال جب مسجد کا تذکرہ کرتے ہیں تو وہ خود بخود ان لوگوں کے کارناموں کے بارے میں سوچتے ہیں جنھوں نے اس شاندار مسجد کو تعمیر کیا اقبال جانتے تھے کہ وہ ہسپانیہ کی تاریخ چار یا چھ

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، بال جبرائیل، ص94

[2] غلام مہر رسول، مطالب بال جبرائیل، ص200

نظموں میں نہیں لکھ سکتے، اس لیے انھوں نے اختصار پر توجہ دی اور اپنی نظموں میں ایسے الفاظ لکھے جو اندلس کے مسلمانوں کی 600 سالہ تاریخ سے متعلق ہیں۔ ان چھ اشعار کو پڑھ کر پدما پر ایسا تاثر چھوڑ سکتا ہے جو شاید پوری کہانی پڑھ کر بھی ممکن نہ ہو۔[1]

تصنیف مردان حق میں کہا گیا ہے کہ اسپین کو فتح کرنے والے یونی طارق اور اس کے ساتھی سپاہی کے ساتھ تھے۔ اس کی زندگی کا مطلب سچ بولنا تھا۔ "عرب شہسوار" کی تشکیل میں کہا گیا ہے کہ وہ عرب نژاد تھے اور بہادری نے ایک نمایاں کردار ادا کیا۔ اس لفظ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے تجارت کے بہانے اسپین پر حملہ نہیں کیا تھا بلکہ اس ملک کے خلاف فوج کھڑی کی تھی۔

تفسیری جائزہ

قرآن مجید میں یہ اصلاح آپؐ کی شان میں وارد ہوئی ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ[2]

(اور بے شک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں)

اس آیت سے مراد رسول اللہؐ دنیا میں اخلاق کا بہترین نمونہ تھے۔ اقبال کا منشاء یہ تھا کہ اندلس کے مسلمان رسول اللہؐ کی طرح ہیں جنہوں نے طارقؒ کی ہمراہ ملک کو فتح کیا تھا۔ امام زمخشری اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

القرآن خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم و شخصيته صلى الله عليه وسلم جامعة وشاملة علماً وعملاً. ومن هذا عرفنا أن شخصية سيّد المرسَلين صلى الله عليه وسلم كاملة وجامعة علماً وعملاً. وكانت شخصية النبي صلى الله عليه وسلم تفسيراً عملياً للقرآن، ولكي نفهم أخلاق القرآن من كل جانب لا بد من

[1] سلیم یوسف چشتی، پروفیسر، بال جبرائیل مع شرح، ص567

[2] سورہ القلم:04

فهم شخصية النبي المباركة. صلى الله عليه وسلم) صدق الله تعالى:(لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّـهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)[1]

رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا خُلُق قرآن ہے۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس علم و عمل دونوں اعتبار سے کامل اور جامع شخصیت۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیّد المرسلین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم علم اور عمل دونوں اعتبار سے کامل اور جامع ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت قرآن کی عملی تفسیر تھی۔ ہر پہلو کے اعتبار سے قرآنی آیات کو سمجھنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک کو سمجھنا ضروری ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حیات مبارکہ قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک حیات تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

یہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں مولانا مودودی اس کی تفسیر کرتے ہیں۔

اس وقت اس بیان کے دو معنی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کا اخلاق بہت بلند ہے اس لیے آپ کو خلق کے کام کرتے ہوئے یہ اذیت برداشت کرنی پڑتی ہے، ورنہ کمزور اخلاق والا شخص یہ کام کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ آپ کا اعلیٰ اخلاق بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ کفار کی طرف سے آپ پر دیوانگی کا جو الزام لگایا گیا ہے وہ سراسر جھوٹ ہے کیونکہ اعلیٰ اخلاق اور دیوانگی کو ایک جگہ جمع نہیں کیا جا سکتا۔[2]

علامہ محمد اقبال نے قرآن کے یہ الفاظ سپیسن کو فتح کرنے اور پھر وہاں عظیم الشان سلطنت کا قیام کرنے والے مسلمانوں کے لیے استعمال کی ہے قرآن میں یہ لفظ آپؐ کے اخلاق کو بیان کیا ہے بے شک مسلمانوں کے اخلاق بھی آپؐ جیسے ہونے چاہیے اگر ہم ان ہی اخلاقی قدروں کو اپنائیں تو یہ بعید نہیں کے جیسے ماضی میں مسلمانوں کے دنیامین عظیم قوم بنایا وہ مستقبل میں بھی بنا سکتا ہے۔

7.شَرَابًا طَهُوْرًا

[1] الزمخشري جار الله، أبو القاسم محمود بن عمرو بن أحمد، الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل، دار الكتاب العربي–بيروت، الثالثة–١٤٠٧ھ،، جلد4، ص585

[2] سید ابوالاعلی مودودی، تفهیم القرآن، جلد ششم ص،58

نہ مجھ سے کہہ کہ اجل ہے پیامِ عیش و سرور

نہ کھینچ نقشۂ کیفیّتِ شرابِ طہور[1]

یہ تلمیح بانگ درا کی "نظم عشرت امروز" کی ہے۔

علامہ کی یہ نظم واعظین کے لیے ہے جو قرآن میں موجود وہ آیات جن میں جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے ان کو زیادہ زیر بحث لاتے ہیں جس میں حور و قصور اور شراب طہور وغیرہ۔ غلام مہر رسول اس کی شرح بیان کرتے ہیں کہ: وہ مجھے بعد کی زندگی کا منصوبہ پیش کرتے ہیں اور یہ کہ موت در حقیقت عیش و عشرت کا پیغام ہے۔ اس کے علاوہ یہ خالص شراب ہمیں یہ وہم بھی دیتی ہے کہ جنت میں شراب نوشی کی کوئی حد نہیں ہوگی۔ اور دوسری شرابوں کے برعکس، یہ شراب پاکیزگی کی خوشی کو جنم دیتی ہے۔[2]

تفسیری جائزہ

عَٰلِيَهُمۡ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضۡرٞ وَإِسۡتَبۡرَقٞۖ وَحُلُّوٓاْ أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٖ وَسَقَىٰهُمۡ رَبُّهُمۡ شَرَابٗا طَهُورًا[3]

(ان کے اوپر باریک ریشم کے سبز لباس اور اطلس و دیبا کے کپڑے ہوں گے، ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے، اور ان کا رب ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا)

قرآن مجید کی اس آیت میں جنتیوں کو دی جانے والی نعمتوں کا بیان ہے خاص مشروب کا ذکر ہے کہ کیسے اہل جنت ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

امام زمخشری اس کی تفسیر کرتے ہیں:

ويذكر مشروبًا مصنوعًا من مزيج من الكافور والزنجبيل، بالإضافة إلى مشروب منعش. والذي أطلق عليه اسم الكحول النقي. والطهور هو الشيء الذي

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، ص125

[2] غلام مہر رسول، مطالب بانگ درا، ص234

[3] سورہ الدھر: 21

هو طاهر في نفسه ويطهر الأشياء الأخرى أيضا. وسيكون هذا المشروب نقيا عذبا وينزع كل أنواع الضغينة والمرارة من قلوب أهل الجنة. [1]..

جنت میں ایک چشمہ ہے جسے جنتی فرشتے سَلسَبیل کہتے ہیں کیونکہ اس کا پانی رواں اور آسانی سے حلق میں اتر جانے والا ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے مُقرّب بندے خالص اسی چشمے سے پئیں گے جبکہ ان سے کم درجے والے نیک بندوں کی شرابوں میں اس چشمے کا پانی ملایا جائے گا اور یہ چشمہ عرش کے نیچے سے جنّتِ عدن سے ہوتا ہوا تمام جنتوں میں گزرتا ہے۔

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں کہ:

وہ جس چشمے کے پانی میں کافور ملایا جاتا ہے۔ دوسرے میں، چشمے کے پانی کو زنک کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ ان دونوں شرابوں کے بعد شراب کا ذکر کرنا اور یہ کہنا کہ ان کا رب انہیں سب سے پاکیزہ شراب پلائے گا یہ بہترین معیار کی ایک شراب ہے جو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوگا[2]

اس آیت میں اس مشروب اور اس کے اجزا کا ذکر ہے اور علامہ اقبال نے اپنی اس نظم کو واعظین کو تنبیع کے لیے لکھا کہ یہ لوگ عوام الناس کو جنت اور اس کی نعمتوں کا اتنا ذکر کرتے ہیں کہ میں بھی یہ خواہش کروگا یہ سب مجھے دنیا میں ہی مل جاہے کون قیامت تک انتظار کریں۔

علامہ کا یہ اسلوب ان کی دیگر اشعار میں بھی نظر آتا ہے جہاں جہاں اقبال نے ان نعمتوں کا ذکر کیا وہاں واعظین کی توجہ زندگی کہ دوسرے رخ کی طرف توجہ دلانا تھا کہ صرف وعدہ حور قصور کہ لیے زندگی نہ گزاروں بلکہ اس جہاں میں ایک انقلابی روش اختیار کر کہ غلبہ دین اسلام کی جہدوجہد کرو اور نعمتوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کیذات سے محبت و عشق میں گزاروں کے کل جب سامنا ہوں تو مالک اپنے بندوں سے ناراض نہ ہوں اور بندوں کو شرمندگی نہ ہوں۔

8. سَلۡسَبِيۡلًا

[1] الزمخشري جار الله، أبو القاسم محمود بن عمرو بن أحمد، الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل، دار الكتاب العربي- بيروت، الثالثة-١٤٠٧ھ، جلد4، ص670

[2] ابو الاعلی مودودی، سید، تفہیم القرآن، ص201

یہ تلمیح کلام اقبال میں صرف بانگ درا میں درج زیل دو اشعار میں آئی ہے جن میں سے پہلا شعر عشرت امروز اور دوسرا شعر نظم خضرِ راہ، جواب خضر صحرا نوردی کا ہے

مجھے فریفتۂ ساقیِ جمیل نہ کر
بیانِ حور نہ کر، ذکرِ سلسبیل نہ کر[1]

علامہ نے یہ نظم جنت میں دی جانے والی نعمتوں پر روشنی ڈالی ہے کہ جنت کا وعدہ بہت دور ہے یہ مجھے وہ سب اس دنیا میں نہیں مل سکتا اس ہی موضوع کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

غلام مہر رسول اس کی شرح بیان کرتے ہیں:
اقبال واعظین سے کہتے ہیں جو مجھے خیالاتی حسن میں نہ الجھا جو جنت میں پیش کیا جائے گا جیسے حوریں اور وہ خاص نہر جو سلسبیل کے نام سے مشہور ہے۔[2]

کلام اقبال میں دوسری جگہ یہ قرآنی الفاظ علامہ کی مشہور نظم خضر راہ بانگ درا میں موجود ہے:

اور وہ پانی کے چشمے پر مقامِ کارواں
اہلِ ایماں جس طرح جنّت میں ِگردِ سلسبیل[3]

پروفیسر بدیع الزماں اس تلمیح کی تشریح بیان کرتے ہیں کہ:

> وہ ایک کارواں کی تصویر کشی کرتے ہیں اس نظم میں وہ مسلمانوں کو دوام زندگی کے راز کو ذہن نشین کروانا چاہتے ہیں کارواں سے مراد اہل ایمان ہیں اور جو دنیا میں رہ کر مشکل زندگی بسر کرتے ہیں اور سلسبیل سے مراد وہ چشمہ ہے جو جنت میں ان جو بطور اجر عطا کیا جاہے گا[4]

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، ص125
[2] غلام مہر رسول، مطالب بانگ درا، ص234
[3] ایضاً ص255
[4] محمد بدیع الزماں، پروفیسر، اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات اور قرآنی آیات کے منظوم ترجمہ، ص55

خضر راہ اور جواب خضر راہ علامہ کی شاعری کو دوام دینے والی نظموں میں ان کا شمار ہوتا ہے نظم دو حصوں میں تقسیم ہے پہلے سوالات جو امت مسلمہ کے زبو حالی پر ہیں اور دوسرا جواب جو خضر کی زبانی ہے علامہ نے بازبان خضر ریاست کے مثالی نظام کو بیان کیا اور مسلمانوں کو ماضی کے ساتھ جوڑا ہے اس تلمیح میں اس مسافر کی طرف اشارہ ہے پھر جب قافلے تھک کر پانی کے چشمے پر قیام کرتے ہیں تو ایسے جمع ہوتے ہیں جیسے سلسبیل کے گرد اہل ایمان جمع ہوئے ہوں گے۔

تفسیری جائزہ

قرآن مجید میں یہ الفاظ سورہ الدھر میں موجود ہیں

عَيۡنٗا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلۡسَبِيلٗا[1]

(یہ جنت کا ایک چشمہ ہوگا جسے سلسبیل کہا جاتا ہے)

جنت میں اس چشمے نام سلسبیل ہوگا اہل ایمان اس کے گرد جمع ہوں گے اور اس مٹھاس سے لطف اندوز ہوں گے

امام رازی اس لفظ کے معنی کی بحث میں فرماتے ہیں

قال ابن العربي: لم أسمع بالسلسبيل إلا في القرآن، ولكن لا يعرف اشتقاقه، وقال كثير: يسمى شراب سلسل وسلسال وسلسبيل، أي عذب وسهل المذاق وزيدت الباء حتى صارت الكلمة خماسية أي منتهى السلالة،قال الزجاج في اللغة سلسبيل صفة للماء والميزة التي ذكرها هي أن هذا المشروب طعمه كالزنجبيل وليس فيه مرارة، لأن ضد المرارة هي السلاسة،و يوجد قول نسب إلى علي بن أبي طالب رضي الله عنه.إن معناه: سل سبيلا إليها، وهو بعيد، إلا من قال: جعل سلسبيلا علما للعين بمعنى لا يشرب منها إلا من سأل إليها سبيلا بالعمل الصالح.إن في الجنة عينا يسميها ملائكة الجنة سلسبيلا لأن ماؤها جارٍ سهل البلع. واعلم أن عباد الله تعالى المقربين سيشربون من هذا العين طاهرين،

[1] سورہ الدھر:18

ويختلط ماء هذا العين بخمر العباد الصالحين الذين هم أقل منهم منزلة، وهذا العين يمر من تحت العرش إلى جنة عدن وجميع الجنات .[1]

ابن العربی نے کہا: میں نے سلسبیل کے بارے میں قرآن کے علاوہ کوئی نہیں سنا، اس لیے اس کا مشتق معلوم نہیں، اور اکثر نے کہا: اسے مشروب سلسل، سلسل اور سلسبیل کہا جاتا ہے، جس کا مطلب میٹھا اور آسانی سے بولا جاتا ہے جب تک کہ یہ لفظ پانچ نکاتی لفظ بن گیا اور ہموار ہو گیا،

الزجاج نے کہا: زبان میں سلسبیل کی صفت ہے۔ وہ چیز جو انتہائی ہموار ہے اور سلبیل کے ذکر میں فائدہ یہ ہے کہ اس مشروب میں ادرک کا ذائقہ ہے اور اس میں کوئی کڑواہٹ نہیں ہے کیونکہ کڑواہٹ کے برعکس ہمواری ہے، انہوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا ہے کہ اس کا معنی ہے: اس کی طرف ایک راستہ، اور وہ بہت دور ہے، الا یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے کہا: سلسبیل کو آنکھ کے لیے نشان بنا دیا گیا، جیسا کہ کہا جاتا ہے: اسے گھیر لیا گیا تھا۔ برائی، اور اسے اس لیے کہا گیا، کیونکہ یہ اس سے برائی نہیں لاتا، سوائے اس کے جو اس کے لیے نیک اعمال کے ذریعے راستہ مانگے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ ادرک کا بدل ہے، اور دوسرا یہ کہ یہ ایک مخصوص الزامی صورت ہے۔

جنت میں ایک چشمہ ہے جسے جنتی فرشتے سَلسَبیل کہتے ہیں کیونکہ اس کا پانی رواں اور آسانی سے حلق میں اتر جانے والا ہے۔ یاد رہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کے مُقَرّب بندے خالص اسی چشمے سے پئیں گے جبکہ ان سے کم درجے والے نیک بندوں کی شرابوں میں اس چشمے کا پانی ملایا جائے گا اور یہ چشمہ عرش کے نیچے سے جنّتِ عدن سے ہوتا ہوا تمام جنتوں میں گزرتا ہے۔

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں کہ:

کہا جاتا ہے کہ عربوں نے شراب میں چینی ملایا کیونکہ وہ چینی ملا ہوا پانی پینا پسند کرتے تھے۔ تاہم، یہ پانی اور صندل کی لکڑی کا مرکب نہیں ہے، بلکہ ایک قدرتی چشمہ ہے جس میں صندل کی خوشبو آتی ہے لیکن کڑوی نہیں، اس لیے اسے سلسبیل کا نام دیا گیا ہے۔ سلسبل سے مراد وہ پانی ہے جو میٹھا، ہلکا اور لمس میں خوشگوار ہوتا

[1] الرّازي، فخر الدين، مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير، جلد30، ص752

ہے اور حلق سے آسانی سے گزر جاتا ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں لفظ "سلسبیل" بطور اسم استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ اس موسم بہار کو بیان کرنے کے لیے بطور صفت استعمال ہوا ہے۔[1]

علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں سلسبل کا تذکرہ اس معنی میں کرتے ہیں کہ ہمیں صرف جنت کی نعمتوں کے خواہش پر زندگی نہیں گزارنی چاہیے بلکہ عملی زندگی کا تقاضا ہے ہم ایک زندہ اور جاوید بن کر زندگی گزارر ہے۔

9.اِنَّ الْمُلُوْكَ

آبتاؤں تُجھ کو رمز آیۂ اِنَّ الْمُلُوْک

سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادُو گری[2]

یہ تلمیح کلام بانگ درا کی مشہور نظم "خضر راہ" کی ہے اس بند میں علامہ اقبال نے بادشاہت، بری حملہ آوروں اور غلامی کے تمام اسرار ور موز ''ملکہ بلقیس'' کے ان دو الفاظ سے بتائے ہیں جو یہ بیان کرتے ہیں کہ جب ایک طاقتور حکومت دوسری قوم کو شکست دیتی ہے تو وہ شکست خوردہ قوم کو تباہ اور اس کی عزت کو رسوا کر دیتی ہے۔

وہ اچھے اور شریف لوگوں کی کوئی عزت نہیں کرتے اور شکست خوردہ قوم کو صرف اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے ذلیل ورسوا کرتے ہیں۔ بیرون آغا کوئی بھی حربہ استعمال کرتا ہے جس سے وہ وہاں اپنی استعماریت قائم کرے، اس جگہ کو کمزور کرتے ہیں، اس قوم کے وسائل اور دولت پر قبضہ کر سکتا ہے اور خود اعتمادی، عزت نفس اور دفاع کو مفلوج کر سکتا ہے۔ تاکہ مغلوبوں کی مزاحمت ٹوٹ جائے۔ ان غالب قوموں کی سلطنت اور بادشاہت کا راز اور یہی ان کی قابلیت ہے کہ وہ قوم پر غلبہ حاصل کریں اور اس کے ایماندار اور شریف لوگوں کو رسوا کریں

تفسیری جائزہ

[1] ابو الاعلی مودودی، سید، تفہیم القرآن، ص199

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، ص262

قَالَتۡ إِنَّ ٱلۡمُلُوكَ إِذَا دَخَلُواْ قَرۡيَةً أَفۡسَدُوهَا وَجَعَلُوٓاْ أَعِزَّةَ أَهۡلِهَآ أَذِلَّةٗۚ وَكَذَٰلِكَ يَفۡعَلُونَ[1]

(ملکہ نے کہا کہ "بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ یہی کچھ وہ کیا کرتے ہیں)۔

اس آیت میں حضرت سلیمان اور ملکہ بلقیس کا ذکر ہے جب اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا۔

علامہ امین حسن اصلاحی بیان کرتے ہیں: ملکہ بلقیس نے اپنے درباریوں سے جنگ کہ متعلق پوچھا تو درباریوں نے جواب دیا ہم تیار ہیں جس پر ملکہ نے درباریوں کو ڈرانے کہ لیے کہا کہ ہم بادشاہوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ جب وہ کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو تباہی پھیلا دیتے ہیں۔

اس ہی طرح مولانا مودودی اس آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

> یہ لفظ ہمراج کے سامراج کے اثرات کو واضح کرتا ہے کہ کیسے طاقتور قومیں کمزور قوموں کو بے بس کر دیتے ہیں فاتح قوم کے رسم ورواج مفتوح پر مسلط کیے جاتے ہیں ان کی اپنی ترقی کو ختم کر کے چاپلوسی اور خوش آمدی پر لگا دیا جاتا ہے قوم سے ملی غیرت کو ختم کر دیا جاتا ہے اور اب وہ جینے کو ہی ترقی سمجھتے ہیں۔ اس جملے میں دو مساوی امکانات ہیں۔ سب سے پہلے یہ ملکہ سبا کا لفظ ہے اور اس نے پہلے لفظ کی تاکید کے لیے اس کا اضافہ کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں جو ملکہ کے الفاظ کی تصدیق کرنے والے نصوص کے طور پر بولے گئے ہیں۔[2]

یہ شعر حضرت خضر علیہ السلام کے سوالات جوابات لکھنے کے بعد نظم سلطنت میں بیان ہوہی ہے علامہ نے اپنی شاعری میں بہت خوبصورتی کہ ساتھ قرآنی الفاظ کو اپنے خیالات کو نظریات کو واضع کرنے کہ لیے استعمال کیا ہے اس شعر میں علامہ کی مراد یہ ہے کہ جب کوئی بادشاہت یہ باہر سے آنے والے لوگ آتے ہیں تو صرف تباہی ہی ساتھ لاتے ہیں وہ زمین پر امن قائم نہیں کر سکتے بلکہ

---

[1] سورہ النمل:34

[2] ابوالاعلی مودودی، سید، تفہیم القرآن، جلد سوم ص573

ظلم و استبداد کے پہاڑ توڑتے ہیں ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں کو حوصلہ اور جزبہ بھی دیتے ہیں کہ تم لوگ آزاد پیدا ہوئے تھے اس لیے غلامی کو اختیار نہ کرنا بلکہ اپنی آزادی کی جنگ جاری رکھنا بحثیت مسلمان ہمیں یہ سب زیب دیتا ہے۔

10. وَقَدۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ،يَنۡسِلُوۡنۡ

محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے
دیکھیے ہوتا ہے کس کس کی تمنّاؤں کا خُون
حکمت و تدبیر سے یہ فتنۂ آشوب خیز
ٹل نہیں سکتا، وَقَدۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ،
کھُل گئے، یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ 'يَنۡسِلُوۡنَ'[1]

قرآن مجید کی یہ دونوں تلمیحات بانگ درا کے "ظریفانہ " میں الگ الگ اشعار میں آئی ہیں۔علامہ فرماتے ہیں محنت اور سرمایا ایک دوسرے کے مد مقابل کھڑے ہو گئے دیکھیں اس جنگ میں کس کی تمناؤں کا خون ہو تا ہے

پروفیسر سلیم یوسف چشتی اس کی شرح بیان کرتے ہیں کہ:

سرمایادار طبقہ نے وسائل پر قابض ہو کر غریبوں کا جینا حرام کیا ہوا ہے جب کہ روس جو محنت کش طبقے کا حامی ہے۔اور امریکہ مع انگلستان سرمایادار تمناؤں کا خوں اشارہ ہے سرمایاداروں کی شکست کی طرف کہ اقبال کی رائے میں انجام کاران ظالموں کا شکست ہو گی اشتراکیت دراصل وہ عذاب ہے جو سرمایہ داروں کی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ نے نازل کیا اب تم لوگ کیوں مضطرب ہوں یہ وہی عذاب ہی تو ہے جس کے نزول کے شک میں تم جلدی کیا کرتے تھے یاد رکھو یہ عذاب ٹل نہیں سکتا یہاں تک کہ یہ مزدوروں کا طبقہ تم پر اس طرح نازل ہو گا جیسے یاجوج ماجوج کے لشکر کھول دیے جائیں گے[2]

اقبال یہاں دو نظاموں کا تقابلی بیان کرتے ہوئے اشتراکیت نے مزدوروں کو سرمایاداروں کے خلاف متحد کر دیا ہے اب مزدور بیدار ہو چکا ہے اب وہ اپنا حق لے کر رہے گے ان اشعار میں علامہ محنت کش کا ساتھ دیتے ہیں اور ان کے حقوق کی بات کرتے ہوئے

---

[1] محمد اقبال،ڈاکٹر، بانگ درا، ص289

[2] سلیم یوسف چشتی، پروفیسر، بانگ درا مع شرح، ص796

سرمایہ داروں کو تنبیع کر رہے کہ اگر آپ لوگوں نے یہی ظلم جاری رکھا تو اس عذاب جس کا عہد ہے تم پر نازل ہو گا جس کو نہ تم ٹال سکتے ہوں نہ ہی اس کا مقابلہ کر سکوں گے۔

تفسیری جائزہ

أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ ءَامَنتُم بِهِۦٓۚ ءَآلۡـَٰٔنَ وَقَدۡ كُنتُم بِهِۦ تَسۡتَعۡجِلُونَ[1]

(کیا جب وہ تم پر آپڑے اسی وقت تم اسے مانو گے ؟۔۔۔۔اب بچنا چاہتے ہو؟ حالانکہ تم خود ہی اس کے جلدی آنے کا تقاضا کر رہے تھے)

علامہ امین حسن اصلاحی اس آیت کی شرح کرتے ہیں کہ:

> جب اللہ تعالٰی کی طرف سے عذاب آجائے گا اور تم لوگ پھر ایمان لاؤں گے تو اس وقت ایمان تمیں کیا نفع دے گا اس دن ایمان لاہو گے تو کہاں جائے گا کہ اب مانے حالانکہ یہی وہ چیز ہے جس کہ لیے تم اپنی رعونت کے سبب سے جلدی مچائے ہوئے تھے اور سمجھتے تھے یہ محض بھبکی ہے[2]

اس آیت میں اللہ تعالٰی کفار کو خبر دار کرتا ہے کہ تم لوگ اللہ کے عذاب کے بارے میں سوال در سوال کرتے ہوں تو یقین جانو اللہ کا عذاب آہ کر رہے گا اب تو جھٹلا رہے ہو اور جس وقت تم پر وہ عذاب آئے گا، تب تصدیق کرو گے، اس پر بھی وہ ہاں کہیں تو آپ ان سے کہہ دیجیے کہ نزول عذاب کے وقت تم سے کہا جائے گا ہاں اب عذاب کے خوف سے ایمان لاتے ہو حالانکہ پہلے سے تم بطور مذاق اور تکذیب کے اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔

11. يَنْسِلُوْنْ

حَتَّىٰٓ إِذَا فُتِحَتۡ يَأۡجُوجُ وَمَأۡجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٖ يَنسِلُونَ[3]

---

[1] سورہ یونس:51

[2] اصلاحی، امین حسن، تدبر القرآن، جلد چہارم، ص62

[3] الانبیاء:96

(یہاں تک کہ جب یاجوج وماجوج کھول دیے جائیں گے اور ہر بلندی سے وہ نکل پڑیں گے اور وعدہ بر حق کے پورا ہونے کا وقت قریب آ لگے گا)

امام رازی اس آیت کی تشریح بیان کرتے ہیں

قال: حتى إذا فُتح يأجوج ومأجوج وجاءوا من كل علوّ يسعون. ومعنى هذه الآية أن الحاجز (السور) الذي بناه ذو القرنة لمنع هجمات يأجوج مأجوج سينكسر بقرب قيام الساعة فإذا انكسر انتشروا وافسدوا. إن هجوم يأجوج ومأجوج هذا وهيجانهم وغزوهم سيكون في آخر الزمان، وستحدث القيامة بعد ذلك بوقت قصير جدًا. وقد كتب الإمام الرازي أن يأجوج ومأجوج قبيلتان من الجنس البشري[1]

فرمایا حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج (کی رکاوٹ) کو کھول دیا جائے گا اور وہ بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے قریب وہ سد (دیوار) ٹوٹ جائے گی جس کو ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کے حملوں کو روکنے کے لئے بنایا تھا، اس رکاوٹ کے ٹوٹتے ہی یاجوج ماجوج اس طرح امڈ آئیں گے جس طرح دریا کا بند ٹوٹ جائے تو سیلاب امڈ آتا ہے۔ یاجوج ماجوج کا یہ حملہ، ان کی پیش قدمی اور یورش آخری زمانہ میں ہو گی اور اس کے بعد قیامت بہت جلد واقع ہو گی۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ یاجوج اور ماجوج انسانوں کی جنس سے دو قبیلے ہیں۔

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں: جیسے ہی شکاری پنجرے یا زنجیر سے اچانک آزاد ہو جاتا ہے، وہ ایسے آئیں گے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس وعدے کی تکمیل کا وقت قریب ہے کہ یاجوج ماجوج کی یہ عام بغاوت وقت کے آخر میں ہو گی اور اس کے بعد قیامت ہو گی۔[2]

علامہ محمد اقبال نے قرآن مجید سے دو مختلف عنوان سے آیات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور اس کا پس منظر وہ محنت کش طبقہ کا سرمایہ داروں کے خلاف متحد ہونے کو بیان کرتے ہیں مزدور اپنا حق کے کر رہے گے یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا عذاب کیونکہ یہ قانون فطرت ہے کہ ظلم زیادتی اس وقت تک چلتی ہے جب تک معاشرے میں شعور بیدار نہیں ہوتا جب عوام میں شعور بیدار ہو جاہے تو

---

[1] الرّازي، فخر الدين، مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير، جلد 15، ص 393

[2] سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد سوم، ص 187

وہ حکمرانوں پر اللہ کا عذاب بن کے نازل ہوں گے تفسیر حرف ینسلون علامہ اس آیت کو بھی اس پس منظر میں بیان کرتے ہیں کہ مزدور طبقہ ایسے نکلے گا جیسے یاجوج وماجوج نکلے گے جن کو روکنے کی طاقت کسی میں نہیں ہوں گی۔ علامہ سرمایہ داروں کو بیدار کر رہے کہ اس سے پہلے وہ عذاب مکمل طور پر آہ جاہے اپنا ظلم وزیادتی بند کر دوں اور مزدوروں کو ان کا حق دوں۔

12. وَعَلَّمَ اٰدَمَ

یہ ہیں سب ایک ہی سالِک کی جُستجو کے مقام
وہ جس کی شان میں آیا ہے 'عَلَّم الاسما'
مقامِ ذکر، کمالاتِ رومیؔ و عطّارؔ
مقامِ فکر، مقالاتِ بو علیؔ سینا
مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکاں
مقامِ ذکر ہے سُبحانَ ربیّ الاعلیٰ [1]

ضرب کلیم کی نظم "ذکر و فکر" میں دو تلمیحات آئی ہیں جس میں ایکَلَّم الاسماء اور سُبحانَ ربیّ الاعلی موجود ہیں۔
علامہ نے اس نظم میں دو مختلف فکروں کا تجزیہ کیا ہے اور ان پر مختصر گفتگو فرمائی ہے اور اس کی آسان ترکیب میں سمجھانے لیے عقل اور عشق کے نمائندوں کا ذکر بھی کیا ہے علامہ کے یہاں عقل و محبت یہ عشق کا تقابل اور تجزیہ بہت سے اشعار میں ملتا ہے یہ ایک مقبول بحث ہے کلام اقبال میں جب وہ شخصی تربیعت کی بات کرتے ہیں تو اس جو قدسیوں جیسا بلکہ ان سے بھی اوپر مقام پر جانے کی تلقین کرتے ہیں اپنے کردار واخلاق واعمال سے اور جب وہ مسلمانوں کو عروج کی طرف لے کر جانے کی بات کرتے تو پھر دونوں کو جمع کرتے ہیں محبت کو بھی اور عقل کو بھی علامہ یہ واضح کرتے ہیں کہ کوئی بھی دنیاوی ترقی عروج جدید علوم میں مہارت کے بغیر نہ ممکن ہے

> سچائی کی تلاش کے دو طریقے ہیں: ایک ذکر اور دوسرا فکر۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو علم کی صفت سے نوازا۔ اس کے برعکس تمام لوگ خوش نصیب ہیں اگر وہ خدا کے اس انعام کو سمجھ کر حقیقت کی تلاش شروع کر دیں۔ جو شخص

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص، 535

ذکر کا راستہ یا محبت کا راستہ اور مشاہدہ کا طریقہ اختیار کرے گا وہ اپنے مقصد کے طور پر ایک حد تک یقین پائے گا۔ اس کے بر عکس جو لوگ عقل کی راہ پر چلتے ہیں، ان میں سے بعض کے لیے یہ راستہ کھل جاتا ہے، لیکن مشاہدہ کی کمی کی وجہ سے کبھی کبھی کامل مومن کا پاؤں پھسل جاتا ہے۔

13. سُبحانَ ربیّ الاعلی

مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکاں
مقامِ ذکر ہے سُبحانَ ربیّ الاعلیٰ[1]

اس شعر میں علامہ اس نظم کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ سوچنے والے لوگ زمان و مکان کی سرحدوں کے پابند ہوتے ہیں۔ وہ مسلسل اس مادی زندگی اور اس چھ جہتی دنیا کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ ان کی اس دنیا سے آگے یا اس سے پہلے کے حقائق تک رسائی نہیں ہے۔ ستاروں سے آگے دوسری جگہیں کہاں ہیں اس کا راز صرف اہل ذکر والوں کو معلوم ہوتا ہے اور وہ اس مادی دنیا کے پردے کے پیچھے اللہ کی پاکیزگی بیان کرنے اور یاد کی مختلف صورتیں اختیار کر کے حقیقت تلاش کرتے ہیں۔ خوبیوں کے بت توڑ کر بصارت نفس کی منزل تک پہنچتی ہے جو اعلیٰ ترین، اعلیٰ اور حقیقت پر مبنی مقام ہے۔

غلام مہر رسول اس کی شرح بیان کرتے ہیں:

> علم اسماء، اشارہ اس آیت کی طرف ہے کہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساری اشیاء کے نام بتا دیئے یہ وہ عظیم الشان واقعہ ہے جس کہ وجہ سے انسان اشرف المخلوقات بنا ہے سبحان ربی الاعلی پاک ہے میرا رب جو سب سے اوپر ہے بلند ہے فکر مادیات کی تلاش کرتی رہتی ہے اور ذکر کا تعلق صرف ذات باری تعالیٰ سے ہوتا ہے صاحب ذکر اس ذات پاک کے سوا ہر شے سے اپنا تعلق توڑ لیتا ہے یا تعلقات کو اللہ کیذات کے تابع کر دیتا ہے دوسرے لفظوں میں فکر وہی شے ہے جو اقبال کہیں علم قرار دیتے ہیں اور ذکر کے لیے انھوں نے عشق کی اصطلاح اختیار کی ہے[2].

علامہ کے کلام میں عشق و عقل، علم و محبت، ذکر و فکر، اور اس طرح کی دیگر اصطلاحاتِ کا مفہوم ایک ہی ہے وہ یہ کہ عشق و محبت اور ذکر سے اپنے قلوب و اذہان کو منور کرو کہ دنیا بھی تمہارے کردار و اخلاق سے متاثر ہو جائے ورنہ یہ سب دین اسلام کی تعلیمات پر عمل کر کے ہو گا دوسری طرف عقل، علم فکر اور اس طرح کی اصلاحات علامہ نے سائنس اور فلسفہ و دنیاوی زندگیوں کو بہتر بنانے

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص، 535

[2] غلام رسول مہر، مولانا، مطالب ضرب کلیم، ص 41

کے لیے ہیں علامہ کی فکر کے مطابق مسلمانوں کا نشات ثانیہ اس وقت ہی ممکن ہے جب انفرادی اور اجتماعی طور پر یہ خوبیاں ہم میں جمع ہو جاہیں یہاں آدم علیہ السلام کا قصہ اور ربیع الاعلی کی تلمیحی بھی اس ہی نظریہ کو بیان کر رہی ہے جو علامہ کی فکر کا حاصل ہے۔

تفسیری جائزہ

علامہ نے یہ تلمیح سورہ البقرہ میں مذکور واقعہ آدم علیہ السلام سے اخذ کی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَعَلَّمَ ءَادَمَ ٱلۡأَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى ٱلۡمَلَٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنۢبِـُٔونِي بِأَسۡمَآءِ هَٰٓؤُلَآءِ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ[1]

(اس کے بعد اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا" اگر تمہارا خیال صحیح ہے (کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا) تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ)

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا تو اس نے فرشتوں سے کہا کہ وہ زمین پر کسی ایسے شخص کو خاص بنانا چاہتے ہیں جو زمین کی دیکھ بھال کرنے کا اختیار اور آزاد مرضی کا حامل ہو۔ یہ شخص اللہ کی قدرت اور اختیار کا نمائندہ ہو گا۔ فرشتے حیران ہوئے اور اللہ سے پوچھا کہ انہیں ایسے شخص کی کیا ضرورت ہے جب کہ وہ ہر وقت اللہ کی حمد و ثنا اور اطاعت کرتے ہیں۔ اللہ نے انہیں یاد دلایا کہ انہیں اس کے فیصلوں پر سوال نہیں اٹھانا چاہیے اور وہ ان چیزوں کو جانتا ہے جو وہ نہیں کرتے۔ اللہ نے کہا کہ وہ اس خاص شخص کو زمین پر پیدا کرے گا اور فرشتوں کو اس کے فیصلے پر بھروسہ کرنا چاہیے، چاہے وہ اسے نہ سمجھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے ایک امتحان لیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کا علم دیا جس کو سن کر فرشتے سجدے میں گر گئے سوائے ابلیس کے اس نے سجدے سے انکار کر دیا اور قیامت تک مردود ٹھہرا۔

امین حسن اصلاحی اس آیت کی شرح بیان کرتے ہیں:

> جب اللہ تعالی نے خلافت کی ذمہ داری حضرت آدم علیہ السلام کو دی تو فرشتوں کو اعتراض تھا کہ ہم اس کے زیادہ لائق ہیں تب اللہ تعالی نے حضرت آدم کو علم الاسماء عطا فرما جس کے بارے میں تین اقوال ہیں تمام چیزوں، فرشتوں، ذریت آدم کے نام تھے وہ حضرت آدم سے یہ گمان کرتے تھے یہ زمین میں جا کے فساد کریں گے اس

[1] سورہ البقرہ:31

اعتراض کو دور کرنے کہ لیے ذریت آدم کے نام بتائیں ان لوگوں کے نام جو نیک اور صالح ہوں گے جو دنیا میں فساد کو ختم کر کے امن قائم کریں گے [1]

سَبِّحِ ٱسۡمَ رَبِّكَ ٱلۡأَعۡلَى [2]
(اے نبیؐ اپنے رب برتر کے نام کی تسبیح کرو)

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی میرے نام کی تسبیح کرو مجھے ہر وقت یاد کرو اللہ تعالیٰ یاد کرنے کے آداب ہیں ہمیں اللہ کے لیے صحیح ناموں کا استعمال کرنا چاہیے، اللہ کا نام، اور ایسے ناموں کا استعمال نہیں کرنا چاہیے جو اس کے لیے موزوں نہ ہوں۔ ہمیں ایسے ناموں کا بھی استعمال نہیں کرنا چاہیے جو دوسری مخلوقات یا لوگوں کے لیے ہوں۔ جب وہ بات کرتے ہیں، تو ہمیں اسے احترام کے ساتھ اور اس طرح سے کرنا چاہیے جس سے ظاہر ہو کہ ہم اس کی عزت اور احترام کرتے ہیں۔ ہمیں اس کے بارے میں بات کرتے وقت مذاق نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی توہین آمیز زبان استعمال کرنی چاہیے۔

علامہ اقبال نے ان دونوں آیت کو اپنی شاعری میں فکر اور ذکر کے دو عنوانات کے ساتھ مطابقت پیدا کر کہ جوڑ دیا ہے پہلی آیت کو عقل اور علم و حکمت، فلسفہ اور جدید علوم کی نمائندہ قرار دیتے ہیں اور بزبان قرآنی ہمیں اس کی طرف راغب ہونے کہ تلقین کرتے ہیں جب کہ دوسری طرف تزکیہ نفس کہ لیے اس کی حمد و ثناء کی طرف بلاتے ہیں اور یہ بیان بھی وہ بزبان قرآنی بیان کر کہ ہمیں اس کی اہمیت کا احساس کروانا چاہتے ہیں۔

14. لَا تَذَرْ

دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے

وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لاتذر میں [3]

قرآن مجید کے یہ الفاظ علامہ نے اپنی نظم بال جبر آئیل میں طارق کی دعا میں لائیں اس میں مسلمانوں کے اس عظیم دور کی تصویر کشی کی گی ہے طارق بن زیاد کو لشکر دے کر ہسپانیہ بھیجا اور مسلمانوں کو فتح ملی اس نظم میں شہادت کے مقصد پر بات کرتے ہوے فرماتے

---

[1] اصلاحی، امین حسن، تدبر القرآن، جلد اول، ص160

[2] سورۃ الاعلیٰ:01

[3] محمد اقبال، ڈاکٹر، بال جبرائیل، ص100

ہیں کی مومن کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہوتی ہے اور دین اسلام کی سربلندی یہ شعر اس نظم میں قرآنی تلمیح حضرت نوح کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے خدا سے لوگوں کو اس پر ایمان لانے اور ان کے دلوں میں ایمان لانے میں مدد کرنے کی درخواست کی۔ وہ چاہتے تھے کہ خدا نہ ماننے کی تاریکی کو دور کرے اور اس کی جگہ ایمان کی روشنی ڈالے۔ نوح چاہتے تھے کہ دوسروں کے دلوں میں وہی مضبوط ایمان ہو جیسا کہ ان نے دل میں تھا

تفسیری جائزہ

قرآن مجید کے یہ الفاظ سورہ نوح:26اور سورہ المدثر:28میں وارد ہوئے ہیں۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى ٱلْأَرْضِ مِنَ ٱلْكَٰفِرِينَ دَيَّارًا[1]

(اور نوح (علیہ السلام) نے کہا"میرے رب، ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ)۔

نوح علیہ السلام نے لوگوں کے رویے سے مایوسی کے عالم میں زندگی بھر تبلیغ اور ناامیدی محسوس کرنے کے بعد دعا کی۔ آپ کی دعا اللہ کے منشا تھی۔ اگر تم دعا اور تبلیغ کرتے رہوں نہ تب بھی ان لوگوں پر عذاب آئے گا جو ایمان نہیں لائے۔ یہ قرآن میں پہلے واضع ہوں گیا تھا کہ صرف چند لوگ ایمان لائے گے اور اب وقت آگیا ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں فکر کرنا چھوڑ دیا جائے جو ایمان نہیں لائیں۔

امین حسن اصلاحی بیان کرتے ہیں حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بد دعا اس لیے دی تھی کہ پہلے واضع ہو چکا تھا کہ ان کی قوم پر عذاب آکر رہے گا اور وہ ٹل نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت ختم ہو چکی تھی اور سنت الہٰی کے مطابق عذاب کا مرحلہ باقی رہ جاتا تھا[2]

علامہ اقبال نے یہ تلمیح اپنی مشہور نظم میں لانے کا مقصد مسلمانوں کو یہ پیغام دینا تھا کہ طارق بن زیاد ہوں یہ حضرت نوح علیہ السلام اہل ایمان کا یہی شیوہ ہونا چاہیے کہ حق کے مسافر بن جاہے اور پھر جو اس راہ میں رکاوٹ بنے اور اللہ کی زمین پر اللہ کے احکامات و

[1] سورہ نوح:26

[2] اصلاحی، امین حسن، تدبر القرآن، جلد ہشتم ص601

نظام میں دخل اندازی کریں اور ظلم و ستم کا بازار گرم کرے تو پھر اس نے خلاف متحد ہو جاؤ اور بلکل اس ہی طرح اپنے تن من دھن کی بازی لگا دوں جیسے طارق بن زیاد نے اندلس کو فتح کرنے کہ لیے لگائی تھی۔

15. مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا

فریب سود و زیاں لا الہ الا اللہ [1]

قرآن مجید کے یہ الفاظ ضرب کلیم کی مشہور نظم لا الہ الا اللہ کے ہیں اس نظم میں انہوں نے اپنی فکر خودی کو عقیدہ توحید کے ساتھ بیان کیا اس کی محبت اور رضا کے لیے زندگی گزارنی چاہیے ہماری زندگی کا مقصد دین اسلام کی سربلندی ہونی چاہیے یہ شعر اس ہی نظم کا ہے کہ انسان اپنی ساری زندگی اپنی دنیا کو بہتر بنانے کہ لیے کرتا ہے اور اللہ کی ذات کو بھول جاتا ہے اس پر وہ بیان کرتے ہیں دنیا صرف دھوکہ ہے اصل مقصد دین اسلام کی سربلندی ہے اور ہمیں دنیا کے مادی دیکھاوے میں نہیں انا چاہیے یہ دنیا کی خوبصورتی ایک دن ختم ہو جانی ہے۔

علامہ مسلمانوں کو بتا رہے ہیں کہ وہ ایک خدا پر یقین کرنے پر توجہ دیں اور دنیاوی لذتوں میں مشغول نہ ہوں۔ اس کے بجائے، بہت سے مسلمان آخرت کے بارے میں بھول گئے ہیں اور صرف دنیاوی چیزوں کی پرواہ کرتے ہیں۔ یہ توحید کے خلاف ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ دنیاوی فائدے پر خدا کی تلاش کو ترجیح دیں۔ اس وہم کو "لا الہ الا اللہ" (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کے جملے کو دہرانے سے توڑا جا سکتا ہے۔

تفسیری جائزہ

قرآن مجید میں سورہ الحدید:20، سورہ العمران:185، میں وارد ہوئے ہیں۔

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ ٱلۡمَوۡتِۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ أُجُورَكُمۡ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِۖ فَمَن زُحۡزِحَ عَنِ ٱلنَّارِ وَأُدۡخِلَ ٱلۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَۗ وَمَا ٱلۡحَيَوٰةُ ٱلدُّنۡيَآ إِلَّا مَتَٰعُ ٱلۡغُرُورِ [2]

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص525

آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو۔ کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتشِ دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ رہی یہ دنیا، تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے

کوئی بھی موت سے بچ نہیں سکتا، اور جو کام ہم اپنی زندگی میں کرتے ہیں، چاہے وہ اچھے ہوں یا برے، ان کا بدلہ ملے گا۔ اور یہ بھی فرمایا گیا ہے جہنم سے بری ہو کر جنت میں داخل کر دیا جاہے گا آخر میں، یہ کہتا ہے کہ زمین پر ہماری زندگی ایک دھوکہ ہے اور اگر ہم اس سے بچ سکتے ہیں تو ہم خوش قسمت ہیں، لیکن ہم اس دھوکے میں آ گئے تو ہم کامیاب نہیں ہوں گے .

علامہ اقبال اپنی نظم میں رب کعبہ کی شان بیان کرتے ہیں اس نے قرآن میں جو ذمہ داریاں اہل ایمان کو تفویض کی ہیں ان کو بیان واضع کیا ہے علامہ اقبال نے مسلمانوں کو یہ بات باور کروا رہے ہیں کہ جس دنیا کی محبت میں تم گرفتار ہوں قرآن کہتا ہے کہ یہ صرف دھوکہ کے فریب ہے اگر کوئی حقیقت موجود ہے تو وہ صرف اس کی ذات ہے جو واحد ہے اگر کامیابی چاہتے ہوں تو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنی عملی زندگی میں نفاذ کرو تب ہی دنیا اور آخرت میں تمیں کامیابی ملے گی۔

16. لاَ تَخَفْ

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی

اب بھی درختِ طُور سے آتی ہے بانگِ 'لَاتَخَفْ'[1]

قرآن کہ یہ الفاظ بال جبرائیل کہ حصہ دوم میں بیان کیے ہیں اس نظم نے علامہ مسلمانوں کی سست روی کو بیان کرتے ہیں اور ان کی بے عملی پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں پہلے چار اشعار میں مسلمانوں کے حالت زار کو بیان کرنے کہ بعد اگلے اشعار میں مسلمانوں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد کرواتے ہیں اگر کوئی آج بھی حضرت موسیٰ کی طرح جھوٹ اور فریب کے خلاف لڑنا چاہتا ہے تو وہ تورات کے درخت سے حوصلہ افزائی کا پیغام دیا کہ ''ڈرو مت''۔یعنی خدا نے جھوٹ کے خلاف

---

[2] سورہ العمران:185

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، بال جبرائیل، ص50

لڑنے کے لیے جو قوانین بنائے ہیں وہ اب بھی قائم ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ خدا ان کی مدد کرتا ہے جن کو خود پر بھروسہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی حضرت موسیٰ کی طرح پاکیزہ ہو جائے اور جھوٹ سے لڑنا چاہے تو خدا کی مدد سے اپنے مقصد کو پہنچ جائے گا۔

تفسیری جائزہ

حضرت موسیٰ کے خوف کو دور کرنے کہ لیے سورہ القصص:31 سورہ طہٰ:68، سورہ القصص:25 اور سورہ النمل:10 میں وارد ہوئی ہیں۔

وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَلَمَّا رَءَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَٰمُوسَىٰٓ أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۖ إِنَّكَ مِنَ ٱلْءَامِنِينَ[1]

(اور ﴿حکم دیا گیا کہ﴾ پھینک دے اپنی لاٹھی۔ جونہی کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے دیکھا کہ وہ لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ﴿ارشاد ہوا﴾ "موسیٰ (علیہ السلام)، پلٹ آ اور خوف نہ کر، تو بالکل محفوظ ہے)

سورہ القصص میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان ہوا حضرت موسیٰ سفر پر نکلے تو ان کو درخت سے اللہ رب العزت نے آواز دی اور کہ اپنا عصا زمین پر مارے جس پر انہوں نے عمل کیا اور وہ لاٹھی سانپ بن گئی اور وہ ڈر گئے جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو حوصلہ دیا کہ آپ ڈریں نہیں بیشک اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے.

اس نظم میں مسلمانوں کی حالت زار بیان کی کس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعون کے خلاف مدد کی اقبال یہاں اس درخت سے آنے والی آواز پھر اللہ تعالیٰ کا ان کو حوصلہ دیا کہ ڈر اور خوف نہ رکھے اللہ آپ کے ساتھ ہے اس ہی طرح اقبال آج کے مسلمانوں کو یہ بات واضح کر رہے ہیں کہ جب تم ظلم و زیادتیوں کے خلاف نکلو گے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کہ تعمیل کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس ہی طرح تمہارا ساتھ دیں گا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیا تھا اس لیے اپنے دل سے خوف و خطر کو دور کر دوں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے یہ ان احکامات پر عمل کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیے ہیں۔

17. اعراف

[1] سورہ القصص:31

تڑپ رہا ہے فلاطوں میانِ غیب و حضور

ازل سے اہلِ خرد کا مقام ہے اعراف[1]

قرآن مجید کے یہ الفاظ کلام اقبال میں بال جبریل حصہ غزلیات میں موجود ہیں اس غزل میں علامہ نے اہل عقل پر روشنی ڈالی ہے اس نظم کے پہلے شہر میں علامہ اپنی کیفیت بتاتے ہیں اور پھر اہل خرد کا نام لیتے ہیں اس شعر میں علامہ بیان فرمارہے ہیں کہ افلاطون کا مقام اعراف ہے اس سے مراد وہ مقام ہے یا وہ لوگ جو جنت اور جہنم میں داخل نہیں ہوگے بلکہ درمیانے ہوں گے جن کی زندگی میں اتنی برائیاں نہیں ہوں گی کہ ان کو جہنم میں بھیجا جا سکے یا پھر اتنی اچھائیاں نہیں ہوں گی کہ جنت میں بھیجا جا سکے یا ان کے درمیان ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا ہو گا اور درمیان میں لٹکے ہوئے لوگ ہوں گے

اقبال بیان کر رہے ہیں کہ افلاطون بھی درمیان میں لٹکا ہوا ہوں گا اور یہ کوئی پتہ نہیں اس کو اللہ تعالی کی حضوری نصیب ہوئی ہے یا نہیں ہوئی کیونکہ زیادہ تر اہل عقل کا مقام اعراف میں ہوگا درمیان میں لٹکے ہوئے لوگوں میں ہوگا

تفسیری جائزہ

وَبَيۡنَهُمَا حِجَابٞۚ وَعَلَى ٱلۡأَعۡرَافِ رِجَالٞ يَعۡرِفُونَ كُلَّۢا بِسِيمَىٰهُمۡۚ وَنَادَوۡاْ أَصۡحَٰبَ ٱلۡجَنَّةِ أَن سَلَٰمٌ عَلَيۡكُمۡۚ لَمۡ يَدۡخُلُوهَا وَهُمۡ يَطۡمَعُونَ[2]

(ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک اوٹ حائل ہو گی جس کی بلندیوں ﴿اَعراف﴾ پر کچھ اور لوگ ہوں گے۔ یہ ہر ایک کو اس کے قیافہ سے پہچانیں گے اور جنّت والوں سے پکار کر کہیں گے کہ سلامتی ہو تم پر یہ لوگ جنّت میں داخل تو نہیں ہوئے مگر اس کے امیدوار ہوں گے)

مولانا مودودی فرماتے ہیں: جی ہاں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگی کے مثبت پہلو اتنے مضبوط نہیں کہ جنت میں جا سکیں اور جن کے منفی پہلو اتنے مضبوط نہیں کہ جہنم میں ڈالے جائیں تو آپ جنت اور جہنم کے درمیان رہیں گے[3]

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ناشر اقبال اکادمی پاکستان، مطبع، فرید آرٹ پریس انٹرنیشنل لاہور، 2021ء ص420

[2] سورہ الاعراف:46

امین حسن اصلاحی اس کی شرح بیان کرتے ہیں: اللہ تعالی جنت اور جہنم کے درمیان ایک بڑی دیوار کھڑی کر دیں گے جس کے آر پار ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے عذاب والے راحت کو دیکھ سکیں گے اور راحت والے عذاب کو یہ جنت اور دوزخ کو جدا کرے گی [1]

علامہ کہ نزدیک یہ وہ لوگ ہوں گے جو درمیان میں رہے گے جن کی نیکیاں اور برائیاں اتنی زیادہ نہیں ہوں گی کہ وہ جنت یا دوزخ کے حقدار ٹھہر سکیں اہل خرد جو ہے اہل کردار ہیں علامہ کے نزدیک یہ لوگ ان اعراف میں ہوں گے جو درمیان میں لٹکے رہیں گے اور نہیں معلوم جو ان کو اللہ کی حضوری نصیب ہو گی یا نصیب نہیں ہو گی۔

18. اَلْحُکْمُ لِلّٰہ! اَلْمُلْکُ لِلّٰہ!

افغان باقی، کُہسار باقی

اَلْحُکْمُ لِلّٰہ! اَلْمُلْکُ لِلّٰہ [2]

قرآن مجید کے یہ الفاظ ضرب کلیم کے آخری حصے میں محراب گل کے افکار میں بیان کیے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ سکندر اور نادر یا ان جیسے دوسرے فاتحین نے بڑی فتوحات حاصل کیں اور عظیم سرزمینوں اور عظیم قوموں کو فتح کیا لیکن آج ان کے نام کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ تاہم، دنیا اب بھی وہیں ہے. وہ دنیا کے اقتدار میں رہے جس طرح تیرے پہاڑوں کی زنجیر باقی ہے اے افغان۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حقیقی بادشاہی اللہ کی ہے جو ابدی ہے۔ ملک اور ان پر اصل اقتدار بھی اسی کا ہے اور احکامات بھی ان کے تابع ہیں۔ باقی سب کی بادشاہی فانی ہے اور ہر ایک کی بادشاہی عارضی ہے۔

تفسیری جائزہ

إِنِ ٱلْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ [3]

---

[3] ابوالاعلی مودودی، سید، تفہیم القرآن،، جلد دوم ص43

[1] اصلاحی، امین حسن، تدبر القرآن، جلد سوم، ص265

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص688

(مگر میں اللہ کی مشیّت سے تم کو نہیں بچا سکتا، حکم اس کے سوا کسی کا بھی نہیں چلتا)

حضرت یعقوب نے نصیحت کی کہ جب تم مصر میں داخل ہو تو الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا ہم مفسرین اس کی مختلف وجوہات بیان کرتے ہیں ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی بیان فرمایا کہ جو اللہ کا حکم ہو کر رہے گا اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا بعض مفسرین اس کو سیاسی حکمت عملی اور بعض نظر بد سے اس کو تعبیر کرتے ہیں

فَتَعَٰلَى ٱللَّهُ ٱلۡمَلِكُ ٱلۡحَقُّۗ وَلَا تَعۡجَلۡ بِٱلۡقُرۡءَانِ مِن قَبۡلِ أَن يُقۡضَىٰٓ إِلَيۡكَ وَحۡيُهُۥۖ وَقُل رَّبِّ زِدۡنِي عِلۡمٗا[1]

(پس بالا و برتر ہے اللہ، پادشاہ حقیقی۔ اور دیکھو، قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو جب تک کہ تمہاری طرف اس کی وحی تکمیل کو نہ پہنچ جائے، اور دعا کرو کہ اے پروردگار مجھے مزید علم عطا کر)

بے شک یہ بادشاہت اللہ تعالی کی ہے وحی کے پڑھنے میں جلدی جلدی نہ کریں بے شک یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم آپ کو یاد کروائیں ساتھ یہ تلقین بھی کی کہ اللہ تعالی سے دعا مانگتے رہیں میرے علم میں اضافہ فرما۔

علامہ اقبال نے قرآن کی دو مختلف آیات کو ایک معنی میں جمع کر دیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی ہی حاکم ہے اور وہی مالک ہے وہی بادشاہ ہے اور اسی کی بادشاہی ہمیشہ رہنی ہے یہ نظم محراب گل کے افکار میں علامہ نے بیان کی اور افغانیوں کو اس کی طرف توجہ مبذول کروائی کہ بے شک ہمیشہ اللہ کا نام رہے گا اور اگر آپ لوگ بھی اس اللہ کے نام سے شروع کر کے اپنی سلطنت کو مضبوط بناتے ہیں تو یہ بعید نہیں اللہ تعالی دین اسلام کی ترویج و اشاعت کی ذمہ داری آپ کو عطا فرمائے۔

19. قل العفو

جو حرفِ 'قُلِ العَفو' میں پوشیدہ ہے اب تک

اس دَور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار![2]

---

[3] سورہ یوسف:67

[1] سورہ طہ:114

قرآن مجید کہ یہ الفاظ علامہ نے ضرب کلیم کی نظم اشتراکیت میں ہیں اس نظم میں علامہ اقبال نے کمیونیزم جس کا بانی کارل مارکس تھا اس کے اقتصادی اور معاشی افکار کو بیان کیا ہے نظم کے پہلے شعر میں وہ بیان کرتے ہیں کہ دنیا بدل رہی ہے اور وہ صرف تبدیلی چاہتی ہے چاہئے وہ تبدیلی ان کے حق میں بہتر ہو یا نہ ہو ساتھ ہی فرماتے ہیں مذہب یا اخلاقی اقدار کی وجہ سے جو شیطانیت سینوں میں دفن تھی وہ اشکار ہو رہی ہے مسلمانوں کو یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ زمانے کی ان تبدیلیوں کے ساتھ تبدیل نہیں ہونا بلکہ اپنے مسائل کا حل قرآن میں غوطہ زن ہو کے نکالنا ہے اور اسلام کا معاشی نظام اس ایک لفظ میں پوشیدہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مال و دولت کا ڈھیر مت لگاؤ اور اس کی لگن اور چاہت میں اپنی ملی اور دینی ذمہ داریوں کو نہ بھولو قرآنی تعلیم یہ ہے کہ جو ضرورت سے زائد ہو اگر تم خرچ کرنا چاہو تو اللہ کی راہ میں خرچ کرسکتے ہو علامہ اقبال مسلمانوں کو اپنے تمام مسائل قرآن سے حل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

تفسیری جائزہ

وَيَسۡـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَۖ قُلِ ٱلۡعَفۡوَۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلۡأٓيَٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُونَ[1]

(وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ کہہ دو کہ جو ضروریات سے بچ رہے۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتوں کی وضاحت کرتا ہے، تاکہ تم غور کرو)

شراب کے بارے میں حکم فرمایا اور آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے اس میں فائدے اور نقصان دونوں ہیں اور ساتھ ہی آیت کے آخری حصے میں یہ بیان فرمایا کہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو آپ ان کو بتا دیجئے ضرورت سے زیادہ جو مال ہے وہ اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کر دو۔

علامہ اقبال یہ تلمیح استعمال کر کے مسلمانوں کو یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ اسلام کا معاشی نظام قرآن میں موجود ہے اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں آگے بڑھنا اور دوسرے نظاموں کا اسلامی نظام کے ساتھ تقابل کیا جائے تو وہ حرص اور لالچ ہمیں واضح نظر آتی

---

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص638

[1] سورہ البقرہ:219

ہے چاہے وہ انفرادی ہو یا ملکی سطح پر وسائل چند لوگوں کے ہاتھ تک محدود رہتے ہیں اس لیے اللہ تعالی نے قرآن کے ذریعے جو نظام ہمیں دیا ہے وہ یہ ہے کہ ضرورت سے زائد ان لوگوں کو دے دو جن کے پاس ضرورت کے وسائل بھی موجود نہیں ہیں۔

20. وَ الشمَّس

گُل و گُلزار ترے خُلد کی تصویریں ہیں

یہ سبھی سُورۂ 'وَالشّمس' کی تفسیریں ہیں [1]

قرآن مجید کے یہ الفاظ علامہ اقبال نے بانگ دراہ کی نظم انسان اور بزم قدرت میں بیان کیے ہیں اس تلمیح سے وہ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں یہ نظام جو چل رہا ہے یا جس طرف نگاہ اٹھے گی اس کی ذات کے جلوے اور اس کے بنائے ہوئے چیزیں ہمیں نظر ائیں گی جو اللہ کی وحدانیت کو بیان کرتی ہیں. اللہ تعالی کی قدرت کیسے کام کرتی ہے اور صبح و شام انسان کو کیا سمجھ لیتا ہے دریاؤں میں روانی پھولوں کی مہک اور خاموش سمندر انسان کو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں کہ بے شک اس نظام کو تیرے لیے پیدا کیا اور تیرے تابع کر دیا تو اس کو دیکھ اور اس کو دیکھ کر اللہ تعالی کی ذات کو پہچاننے کی کوشش کرے.

تفسیری جائزہ

وَٱلشَّمۡسِ وَضُحَىٰهَا [2]

(سورج اور اس کی دھوپ کی قسم)

سورج کے نام پر اس کا نام "سورۃ الشمس" رکھا گیا ہے۔ سورہ کا اصل متن کہتا ہے کہ اس نے ہر شخص کے دل میں خیر و شر کے تقاضے پیدا کیے ہیں۔ یہ ہماری زمہ داری ہے کہ ہم خیر کے تقاضوں پر عمل کرے اور اپنے آپ کو برائی سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کی

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص86

[2] سورۃ الشمس: 01

روشنی، دن اور رات کی تاریکی پیدا کی، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھے کاموں کے ساتھ ساتھ برے کام کرنے کی صلاحیت بھی دی۔

علامہ اقبال نے اپنے شعر میں سورہ شمس کی تفسیر پڑھنے کا شوق دلایا ہے اور یہ اس صورت کے دو بنیادی مضامین ہیں ایک میں آل ثمود کا ذکر ہے اور دوسرے میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی تخلیق کردہ کائنات کا اور جو اللہ تعالیٰ نے ان کو بیان کر کے قسمیں کھائی ہیں اور قسمیں کھانے کے بعد وہ انسان کے نفس کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ وہی کامیاب ہے جس نے نیکی اور برائی میں فرق رکھا اور اپنے نفس کو برائیوں کی بجائے نیکیوں کی جانب گامزن کیا علامہ کا اشارہ بھی اس ہی طرف ہے کہ ہمیں تزکیہ نفس کرنا چاہیے اور اللہ کی اطاعت اور فرمابرداری کرنی چاہیے۔

21.وَ لَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ

آہ! اے مردِ مسلماں! تجھے کیا یاد نہیں

حرفِ لاتدعُ مع اللہ الٰھا آخر [1]

قرآن مجید کے یہ الفاظ علامہ اقبال نے ضرب کلیم کی نظم کراچی اور لاہور میں بیان کیے ہیں یہ نظم ان دو مسلمانوں کے نام تھی جنہوں نے ان ہندوؤں کا قتل کیا تھا جنہوں نے آپؐ کی شان میں کتاب لکھ کر گستاخی کی تھی پچھلے شعر میں علامہ بتا رہے ہیں کہ ان کا خون عظیم خون ہے اس لیے اہل کلیسا سے ان کی دیت کو نہ مانگو دنیا سے جانا ان کے لیے ہجرت ہوگی کیونکہ انہوں نے آپؐ کی حرمت کے تحفظ کے لیے جان دی نظم کے آخری شعر میں بیان فرما رہے ہیں کہ اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے اور اسی سے انصاف کی امید رکھنی چاہیے اور وہی ہمارا کارساز ہے کہ اللہ کا فیصلہ ہی ہمارے لیے اٹل فیصلہ ہونا چاہیے۔

تفسیری جائزہ

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص568

قرآن مجید میں یہ جملہ بہت سی سورہ میں وارد ہوئے ہیں سورہ الشعراہ 214 ،سورہ المومنین 118،سورہ الفرقان28،سورہ القصص88، آیت میں نفس مضمون کو سامنے رکھتے ہوئے سورہ القصص کی آیت بیان کرتے ہیں

وَلَا تَدۡعُ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَۘ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَۚ كُلُّ شَيۡءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجۡهَهُۥۚ لَهُ ٱلۡحُكۡمُ وَإِلَيۡهِ تُرۡجَعُونَ[1]

(اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔ فرماں روائی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو)

اس کے سوا کسی معبود کی عبادت اور پرستش نہ کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب کچھ فانی ہے، یعنی خدا کی رضا کے لئے کام کرنا، وہ ہے جو نہیں ہو سکتا۔ بجس اسی طرح اس کے اور اس کے علاوہ تمام سلطنتیں فانی ہیں۔

علامہ اقبال نے آج کے اس حصے کو اپنی شاعری میں استعمال کر کے یہ واضح کیا کہ دنیاوی حکمرانی اور کامیابی چاہتے ہیں تو اس کی امید صرف اللہ کی ذات سے رکھنی چاہیے جس کا کوئی معبود نہیں جو لا شریک ہے اور مسلمانوں کے اندر اس جذبے کو ابھارنا چاہتے ہیں کہ تم لوگوں سے زندگی کی بھیک مانگ رہے ہو جن سے مانگنا گناہ ہے کیونکہ زندگی موت تو اس کے ہاتھ میں ہے اور ہمیں زندگی کے ہر معاملے میں اللہ تعالی پر یقین اور توکل بہت مضبوط ہونا چاہیے وہی ہمارا کارساز ہے اور وہی ہمارے رہنمائی فرمانے والا ہے اور کسی بھی معنی و مفہوم میں شرک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جب ہم کسی دوسرے سے امید لگاتے ہیں اور اللہ سے امید توڑ دیتے ہیں تو یہ بھی شرک ہے اس لیے شاعری میں آیت کے اس حصے کو لا کے واضح کرنا چاہ رہے ہیں کہ وہ واحد ہے اور کوئی معبود نہیں ہے اور اس سے ہی مدد مانگو۔

22. لاَ يُخلِفُ الْمِيْعَاد

اے مسلماں! ہر گھڑی پیشِ نظر

آیۂ 'لَایُخْلِفُ الْمِیْعَاد' رکھ[2]

---

[1] سورہ القصص:88

بانگ درا'' نظم میں "گرچہ تو زندانی اسباب ہے" کے عنوان سے آئی ہیں۔ ان میں سیاسی مسائل پر ظرافت اور طنز کے پیرایہ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اس نظم میں علامہ اقبال نے عقل پر تنقید کی اور عشق کو سراہا عشق سے مراد رب کعبہ کی فرمانبرداری اور اطاعت کے ساتھ ان وعدوں کو یاد کروا رہے ہیں جو اس نے انسان کے ساتھ کیے ہیں جو برحق ہیں جن کے ہونے میں کوئی ابہام نہیں ہے۔

تفسیری جائزہ

قرآن مجید میں مختلف سورتوں میں یہ جملہ وارد ہوا ہے سورہ آل عمران 9، سورہ آل عمران:194، سورہ زمر 20، سورہ البقرہ 9، سورہ الرعد 31۔

رَبَّنَآ إِنَّكَ جَامِعُ ٱلنَّاسِ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُخۡلِفُ ٱلۡمِيعَادَ[1]

(پروردگار! تو یقیناً سب لوگوں کو ایک روز جمع کرنے والا ہے، جس کے آنے میں کوئی شبہہ نہیں۔ تو ہرگز اپنے وعدے سے ٹلنے والا نہیں ہے)

بے شک قیامت کا دن حق ہے اور وہ دن آکر رہے گا اور اللہ تعالی کا وعدہ سچا ہے اور سب کو جمع کرے گا جو ایمان والے ہیں اور جو ایمان نہیں لاتے وہ سارے اللہ تعالی کے حضور جمع ہوں گے اور روز محشر میں سب کا حساب ہو گا علامہ اقبال بھی یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اے مسلم ہر گھڑی ہر وقت اس وقت کو سامنے رکھو کہ جب تم اللہ کے سامنے روبرو ہو گئے اور پھر تم اپنے اعمال کا حساب دو گے اور وہ حساب یقینا بہت مشکل ہے اور اپنی زندگی کے اعمال اس امتحان کو سامنے رکھ کے کرو جو اللہ کے سامنے کھڑے ہو کے تم سے لیا جائے گا

23. لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی

---

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، ص285

[1] سورہ ال عمران:09

کارخانے کا ہے مالک مَردکِ ناکردہ کار

عیش کا پُتلا ہے، محنت ہے اسے ناساز گار

حکمِ حق ہے لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّامَاسَعٰی

کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار [1]

قرآن مجید کہ یہ الفاظ علامہ اقبال کے بانگ درا میں ظریفانہ کلام میں بیان ہوئے ہیں اس میں وہ محنت کش طبقے کے احتصال کی بات کرتے ہیں اور فرماتے ہیں اس قطعے میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ کارخانے کا سرمایہ دار مالک ناکارہ اور عیاش ہے کہ مالک ہوتے ہوئے کوئی کام بھی اپنے ہاتھ سے نہیں کرتا اور شب وروز چین کی بانسری بجاتا رہتا ہے جب کہ کتاب روشن کی رو سے خدائے پاک کا یہ حکم ہے کہ "انسان اسی شے کا حقدار ہے جو اس نے ذاتی کوشش اور جدوجہد سے حاصل کی ہو" اس حکم کے پیش نظر کارخانے دار جو مزدور کی محنت کا پھل ہڑپ کر جاتا ہے اس کا بھلا کیا جواز ہے؟

دراصل اس قطعہ میں علامہ اقبال نے اسلام اور قرآن کے نقطہ نظر سے محنت و سرمائے کے مسئلے کا جائزہ لیا ہے اور محنت کش کے حقوق کو واضح کیا ہے.

تفسیری جائزہ

وَأَن لَّيۡسَ لِلۡإِنسَٰنِ إِلَّا مَا سَعَىٰ [2]

(اور یہ کہ انسان کے لیئے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے)

امین احسن اصلاحی بیان کرتے ہیں

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص324

[2] سورہ النجم:39

اللہ تعالیٰ آپ کے عمل کے مطابق آپ کو سزا اور جزا دے گا اگر آپ نے نیک عمل کیا تو اس کی بھی جزا ملے گی اور برا عمل کیا ہے تو اس کی سزا ہو گی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کے والدین نیک تھے یہ آپ کے اولاد نیک ہے آپ کے اپنے اعمال کا حساب کتاب ضرور ہو گا[1]

علامہ اقبال نے اس تلمیح کو اپنے کلام میں سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف مزدور کی آواز بلند کرنے کے لیے استعمال کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ انسان جس کی کوشش کرتا ہے وہی ملتا ہے تو پھر مزدوروں کا حق سرمایہ دار کیوں کھا رہے ہیں کیونکہ سب سے زیادہ کوشش مزدوروں کی ہوتی ہے اور ان کے جائز حقوق بھی پورے نہیں کیے جاتے جس کی وجہ سے ان کی استحصالی ہوتی ہے جو کہ سراسر قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے دیگر مفسرین نے اس کو نیکی اور بدی کے لیے استعمال کیا ہے مگر علامہ اس کو علم معاشیات میں استعمال کیا ہے علامہ کیآواز نے ہر وقت مزدور طبقے کا ساتھ دیا اور سرمایہ داروں کو اللہ تعالیٰ کی وعیدیں سنا سنا کر ڈرایا اور مجموعی طور پر سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اپنی اواز بلند کرتے رہے

24. مازاغ

فروغِ مغربیاں خیرہ کر رہا ہے تجھے

تری نظر کا نگہباں ہو صاحبِ 'مازاغ'[2]

قرآن مجید کا یہ لفظ بانگ درا کی نظم ظریفانہ میں بیان کیے ہیں اور اس پوری نظر میں علامہ اقبال امت ایک خبر دینا چاہتے تھے کہ مشکل پریشانیوں سے گھبرا کر مقصد حیات کو بھولنا نہیں چاہیے بلکہ اللہ کے اوپر امید رکھنی چاہیے اور مغربی تہذیب کے حوالے سے بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں مغرب کے لوگوں کی طرف سے حاصل کردہ ترقی کو فطرت میں مداخلت کے طور پر دیکھتے ہیں۔ چونکہ اس ترقی نے انسان کو انسان ہی نہیں رہنے دیا۔

---

1 اصلاحی، امین حسن، تدبر القرآن، جلد ہشتم ص 77

2 محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص 598

علامہ مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہل مغرب کی ترقی و عروج کو دیکھ کر تمہاری آنکھیں تاریک ہو گئی ہیں یہ ترقی نہیں بلکہ انسانیت کا زوال ہے۔ اصل کامیابی یہ ہے کہ جو آپؐ سے عطا ہوئی ہے کہ شب معراج کو آپ کی انکھوں کو وہ سب دکھایا گیا جو کسی نے نہیں دیکھا اور علامہ یہ دعا کرتے ہیں کہ یااللہ اہل ایمان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضیاب ہونے کی رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اچھائی اور برائی کے درمیان فرق رکھ سکیں اور دنیا میں اصل کامیابی اور کامرانی کیا ہے اس کو پہچان سکیں۔

تفسیری جائزہ

مَا زَاغَ ٱلۡبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ[1]

(نگاہ نہ چوندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی)

ان آیات میں واقعہ معراج کو بیان کیا جارہا ہے جب آپؐ نے مسجد حرام سے مسجد اقصی اور وہاں سے ساتوں آسمان اور پھر سدرہ المنتہی تک کا سفر کیا اور پھر اس سے آگے ہے کہ اکیلے آپ نے سفر فرمایا جب آپ میں اس کی ذات کا مشاہدہ کیا اس آیت میں اللہ تعالی اس منظر کو بیان کر رہا ہے جب آپؐ کو دیدار الہی نصیب ہوا کہ آپؐ کی نگاہ مبارک میں واضح مشاہدہ کیا۔

امام رازی اس آیت کی تشریح بیان کرتے ہیں:

ما زاغ البصر: لم تتجه العين إلى أي اتجاه آخر أثناء الرؤيا، ، ولم تتجاوز حد الأدب، وهذا تعبير عن القوة التي خلقها الله في نبيه صلى الله عليه وسلم في هذا الموقع الذي تضطرب فيه العقول، ثبت وتمتع بالنور صلى الله عليه وسلم، ولم تلتفت العين اليمنى إلى أي جانب، ولا غضت أبصارها عن رؤية المقصود، بل ثبت على هذا الموقف. ومن هذا عرفنا أن قوة رسول الله صلى الله عليه وسلم أعظم من قوة موسى عليه السلام أن حضرة موسى عليه السلام أغمي عليه بعد رؤية التجلي ولكنه صلى الله عليه وسلم فلما رأى ذات الله لم ترمش عينه، ولا ارتعد قلبه، ولا أغمي عليه

---

[1] سورہ النجم:18

وجبريل عليه السلام أيضاً من آيات الله، ومن هذه الآية يعلم أنك صلى الله عليه وسلم لم ير الله لأنه لو نال رؤيته تعالى لصرح بذلك ولكن تجد قوله تعالى لموسى عليه السلام (لن تراني)[1]

مَازَاغَ الْبَصَرُ: آنکھ نہ کسی طرف پھری۔} یعنی اس دیدار کے وقت آنکھ نہ کسی طرف پھری اور نہ ادب کی حد سے بڑھی۔ اس میں سرکارِ دوعالَم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی قوت کے کمال کا اظہار بھی ہے کہ اُس مقام میں جہاں عقلیں حیرت زدہ ہیں آپ ثابت قدم رہے اور جس نور کا دیدار مقصود تھا اس سے بہرہ اندوز ہوئے، دائیں بائیں کسی طرف توجہ نہ فرمائی اور نہ مقصود کے دیدار سے آنکھ پھیری، نہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرح بے ہوش ہوئے بلکہ اس مقام میں ثابت رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیّد المرسلین صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی طاقت حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طاقت سے زیادہ ہے کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام تجلّی دیکھ کر بے ہوش ہوگئے اور حضور پُر نور صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھا تو نہ آنکھ جھپکی، نہ دل گھبرایا اور نہ ہی بے ہوش ہوئے

جبرائیل علیہ السلام بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانیاں ہیں اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کو نہیں دیکھا فی الواقعہ اگر اللہ تعالی کو دیکھا ہوتا تو یہ اتنی فضیلت والی بات ہے اس کا ذکر صراحت کے ساتھ ہوتا ہوں کیونکہ حضرت موسی علیہ السلام کو لن ترانی کا جواب ملا تھا

امین احسن اصلاحی اس کی شرح بیان کرتے ہیں:

> آپؐ نے جو دیکھا وہ دل کا خیال نہیں تھا بلکہ آپ نے صحیح سلامت آنکھوں سے دیکھا اور بالکل واضح دیکھا اور اس دیکھنے میں نہ آپ کی انکھیں حد سے نہیں بڑھیں بلکہ بہتر انداز میں ہر چیز کا مشاہدہ کیا۔[2]

علامہ اپنے کلام میں یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمان نوجوان میں نصب العین اور رہنمائی کہیں اور سے لینے کے بجائے آپؐ سے لیں کہ ان کا مقام و مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اور کسی کا نہیں نوجوان نسل مغربی تہذیب کی تباہ کاریوں کو نہیں دیکھ رہی اس پر اللہ معاف

---

[1] الرّازي، فخر الدين، مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير، جلد 28، ص 247

[2] اصلاحی، امین حسن، تدبر القرآن جلد ہشتم، ص 57

فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالی آپ کو بھی وہ نگاہ عطا فرمائے جس سے آپ حق اور سچ کا راستہ واضح تلاش کر سکو۔ قرآن مجید اور سیرت رسول آپؐ کی ذات مسلمان نوجوانوں کو رہنمائی فرمانے کے لیے کافی ہے بس اپنا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اور کتاب الہی سے مضبوط بنالیں۔

25. وَ النّجم

تُو معنیِ وَالنّجم، نہ سمجھا تو عجب کیا

ہے تیرا مدوجزر ابھی چاند کا محتاج[1]

قرآن مجید کا یہ لفظ علامہ اقبال نے ضرب کلیم کی نظر معراج میں بیان ہے اس نظم میں وہ آپؐ کے سفر معراج کو بیان کرتے ہیں سورۂ نجم کو جس کا آغاز 'والنجم' سے ہوتا ہے، نہ سمجھ سکا تو اس میں کوئی عجب نہیں۔ کیونکہ تیرا مدوزجر ابھی چاند کا محتاج ہے۔ تو نے عشقِ حق سے بہرہ نہ پایا۔ رسولؐ کی تعلیم سے فائدہ نہ اٹھایا۔ مادی اسباب کا محتاج رہا۔ نتیجہ یہی ہو سکتا تھا۔علامہ نے مسلمانوں کو ان کی غلطی کا احساس دلایا کہ آپ نے سورۃ والنجم کی آیات کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ جس طرح سمندری لہروں کی تشکیل کے لیے چاند کا طلوع ہونا ضروری ہے، اسی طرح سورۃ النجم کی حقیقت تلاش کرنے کے لیے آپ کے جذبے اور آپ کی محبت کی ضرورت ہے جو آپ آج کھو چکے ہیں۔ جب سورۃ والنجم کو ایمان کی آنکھوں سے پڑھا جائے اور عشق کی حقیقت کو سمجھا جائے تو سمجھ میں آتا ہے ایک بشر نبی کریمؐ جو ظاہری اعتبار سے عالم بشریت سے تعلق رکھتے تھے کہاں تک پہنچ گئے اے مسلمان اگر وہ اپنے اندر سچے ایمان اور محبت کی کیفیت پیدا کرلے صحیح کیفیت پیدا کرے تو ماہ ومہر اور انجم و سپہر کو بھی تسخیر کر سکتا ہے۔

تفسیری جائزہ

وَٱلنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ[2]

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو ص529

[2] سورہ النجم: 01

(قسم ہے تارے کی جبکہ وہ غروب ہوا)

اس سورت کا شان نزول یہ ہے کہ آپؐ مکہ میں موجود تھے اور کفار مکہ کی طرف سے دی جانے والی پریشانیوں کا سامنا کر رہے تھے مکہ میں ایک جگہ پر تمام لوگ جمع تھے جہاں پر آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور خطبے میں یہ سورہ پڑھی وہ خطبہ تنا فصیح و بلیغ تھا کہ کفار مکہ بھی خاموشی کے ساتھ سنتے رہے اور جب اس سورہ کی آخری آیت پڑھی گئی اور آپؐ سجدے میں گر گئے تو اس کے ساتھ ہی کفار مکہ نے بھی سجدہ کر لیا یہ عمل اس کلام کی تاثیر کی وجہ سے تھا اس سورہ میں بنیادی مضامین توحید اور رسالت ہیں

امین احسن اصلاحی اس کی شرع بیان کرتے ہیں: مفسرین نے النجم سے ثریا کو مراد لیا ہے جبکہ اس کا کوئی قرینہ نہیں اور قریب تین معنی تو شعری کا ہو سکتا ہے اس سورت میں اللہ تعالی کفار مکہ کو یہ باور کروانا چاہ رہے ہیں کہ یہ کلام آپؐ کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے اور آپؐ جو بات فرما رہے ہیں وہ دراصل حکم الہی ہے جس پر عمل کرنا فرض ہے اور وہی کامیابی کی ضمانت ہے [1]

اس سورت کی طرف اشارہ کر کے علماء اقبال یہ سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ سورہ نجم دین اسلام کی بنیادوں کو واضح کرتی ہے جس میں توحید اور رسالت دونوں کا بیان ہے کہ اللہ تعالی کا کلام ہمارے لیے باعث نعمت ہے اور آپؐ کی ذات اقدس سے ہی رہنمائی حاصل کر کے کامیابی بھی مل سکتی ہے

26. نشور

کسے خبر ہے کہ ہنگامۂ نشور ہے کیا

تری نگاہ کی گردش ہے میری رستاخیز [2]

---

[1] امین حسن اصلاحی، تدبر القرآن، جلد ہشتم، ص 51

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو ص354

علامہ اقبال نے یہ الفاظ بال جبریل کی اس نظم میں وہ فطرت اور دیگر موضوعات پر بات کرتے ہیں جعلی صوفیا جو عوام کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اس کے بعد اقبال فرماتے ہیں کہ کس سے خبر ہے کہ قیامت کیسی ہو گی میرے لیے تو قیامت یہ ہے کہ آپ مجھے اپنے دیدار سے محروم کر دے۔

مصلحتاً کہہ دیا میں نے مسلماں تجھے

تیرے نفَس میں نہیں، گرمیِ یُوم النّشور[1]

یہ تلمیح ضرب کلیم میں بیان فرمائی ہے کہ ہے مسلمان تیرے سینے میں وہ جلن نہیں وہ تڑپ نہیں ہے جب وہ ڈر یا وہ خوف نہیں ہے جو پر وزِ ک قیامت کا تمہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالی کا سامنا تو کیسے کرے گا اپنے اعمال کا حساب تو کیسے دے گا اقبال بیان کرنا چاہ رہے ہیں کیا ہم صرف مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں خدا ہمیں قیامت کے دن کا کوئی خوف و خطر نہیں ہے اگر ہمیں خوف و خطر ہو تا تو ہم اس کی تیاری کرتے ہیں

تجھ سے گریباں مرا مطلعِ صُبحِ نشور

تجھ سے مرے سینے میں آتشِ 'اللہ ھو'[2]

بال جبرائیل میں نظم دعا جو مسجد قرطبہ میں لکھی گئی اس میں بیان ہوئی ہے جس نظم کا نفس مضمون اللہ تعالی سے محبت اور عشق ہے علامہ بیان کر رہے ہیں کہ قیامت والے دن بھی میرا جنون میرا عشق فارغ نہیں بیٹھے گا بلکہ اس کے اندر ہنگامہ بپا رہے گا ہر وقت اللہ ہو کی صدائیں بلند کرتا رہتا ہوں تیری یاد میرے سینے میں ہر وقت موجود رہتی ہے جو آگ تو نے میرے سینے میں جلائی ہے وہ اس آگ سے کم نہیں جو قیامت کے دن جلے گی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ میرا دل رب کعبہ کی طرف سے گرم جوشی کی جگہ بن گیا ہے۔

[1] ایضاً، 564

[2] ایضاً، 418

تفسیری جائزہ

هُوَ ٱلَّذِي جَعَلَ لَكُمُ ٱلۡأَرۡضَ ذَلُولٗا فَٱمۡشُواْ فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُواْ مِن رِّزۡقِهِۦۖ وَإِلَيۡهِ ٱلنُّشُورُ[1]

(وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع کر رکھا ہے، چلو اس کی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق، اسی کے حضور تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے)

اس نے انسان کو پیدا کیا اور ضرورت کے لیے زمین کو مسخر کر دیا اس کے لیے تو وہ اپنا اناج اگائے اور اپنی زندگی کا گزر بسر کریں اللہ تعالی اس آیت میں یہی تعلیم دے رہے ہیں کہ بے شک اللہ تعالی کے دیے ہوئے رزق کو کھاؤ اور بے شک ایک دن اللہ کی طرف لوٹ کے جانا ہے

امین احسن اصلاحی اس کی شرح بیان کرتے ہیں:

> اس نے اس کائنات کو تخلیق کیا اور اسے انسان کے تابع کر دیا، گویا وقت اور دیگر مخلوقات انسان کی پرورش اور لطف اندوزی کے پابند ہیں۔ قیامت کے دن وہ انسانیت کو دی گئی تمام نعمتوں کی سزا اور جزا دے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس رب نے اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہوں اور ان کا آخر میں انسان سے پوچھا نہ جائے اس لیے جو میں نے قیامت کو سب نے اٹھنا ہے اور اپنے اپنے کیے کا حساب دینا ہے[2]

علامہ نے اپنے کلام میں تین جگہ پر مشہور تلمیح کا استعمال کیا ہے جس سے مراد یوم حساب ہے اس دن اعمال کا حساب دینا ہے علامہ اس تلمیح کو تصوف کے باب میں بیان کرتے ہیں کہ روز قیامت اللہ تعالی سے کے سامنے کیسے حساب کے لیے کھڑے ہو گئے پھر تمہیں شرمندگی ہی شرمندگی ہو گی اس سے بہتر ہے کہ دنیا میں اپنے اعمال کو بہتر بنایا جائے کہ جب اللہ کے حضور پیش ہوں تو سر

---

[1] سورۃ الملک:15

[2] اصلاحی، امین حسن، تدبر القرآن، جلد ہشتم، ص497

شرم سے جھکے ہوئے نہ ہو کیونکہ قیامت کا دن خوشی کا بھی دن ہو گا ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اللہ کی مرضی کے مطابق گزارا ہو گا اس دن وہ اپنے محبوب کا دیدار فرمائیں گے

27. کُنْ فَیَکُوں

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید

کہ آرہی ہے دمادم صدائے کُنْ فَیَکُوں[1]

قرآن مجید کے یہ الفاظ علامہ اقبال نے بال جبریل میں سعید نظر میں بیان کیے ہیں اس غزل میں انہوں نے اللہ اور بندے کے تعلق کو بیان کیا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ اقبال نے غزل اپنے محبوب حقیقی کے عشق میں ڈوب کر لکھی ہے نظم کے پہلے حصے میں وہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس نے انسان کو بینائی دی اور اس کی بدولت دنیا کے رازوں کو جان سکتا ہے اور وہ ان حقیقتوں تک بھی جا سکتا ہے جہاں تک فرشتوں کی رسائی بھی ممکن نہیں اور اگلے حصے میں علامہ اقبال یہ واضح کر رہے ہیں کہ اللہ تعالی اس کائنات کا نظام چلا رہا ہے جب سے یہ کائنات بنی ہے اج تک یہ مکمل نہیں ہوئی بلکہ ہر دم ہر لہر ہر وقت اس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اور آخری حصے میں فرماتے ہیں کہ بے شک ان مسلمانوں کی کامیابی یہ ہے کہ ان بندوں کے صحبت اختیار کریں جن لوگوں نے اللہ تعالی کی اطاعت اور فرمانبرداری میں زندگی گزاری ہے

تفسیری جائزہ

سورہ البقرہ:117، سورہ العمران:47، سورہ النحل:4، سورہ یسین 72، سورہ المومن:68 میں وارد ہوے ہیں

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ ٱللَّهِ كَمَثَلِ ءَادَمَۖ خَلَقَهُۥ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ[2]

(اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا)

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر کلیات اقبال اردو، ص364

[2] سورہ آل عمران:59

ان آیات واضح ہوتا ہے کہ کسی کی مجال نہیں وہ ارادہ فرمالے تو کوئی اسے کسی کام سے باز رکھ سکے اور وہ کچھ نہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کسی ذی روح میں یہ ہمت وطاقت نہیں کہ اسے اس کام پر مائل کر سکے -بس ہمارے بس میں گڑ گڑانا ہے اگے مالک کی مرضی وہ دعا کو شرف قبولیت بخشے یارد کر دے--وہ یکتا ہے اکیلا ہے قادر مطلق ہے عالم ہے لطیف وخبیر ہے کوئی چیز اس کی مثل کہاں کہ کسی کو اس سے نسبت دی جا سکے -کوئی بے مثل وبے مثال ہے ہر اچھی صفت اسی کی ہے اس کی ذات سے اسکی صفات الگ ہیں نہ زائد ہیں - اسکی ذات کی طرح اس کی صفات سب کی سب بے مثل وبے مثال ہے -وہ اپنی ذات میں اپنی صفات میں کمالات میں اس کے اظہار میں یکتا ہے اکیلا بے بے پرواہے کسی کی کیا مجال کہ اس کی بار گاہ میں بغیر اجازت کے سفارش کر سکے ہر وجود چاہے جاندار ہو کہ بے جان 'کی گردنیں چار وناچار اس کے آگے جھکی ہوئی ہیں 'اس کے آگے سر بہ سجود ہے -مخلوق کی عظمت اسی میں ہے کہ اس کی عظمت کے اعتراف میں سر آنکھوں اور نفس وروح اور تمام انسانی اختیارات کو جھکا دیا جائے اپنی بے بسی کا کھل کے اعتراف کیا جائے۔

کلام اقبال میں یہ تلمیح ایک بار استعمال ہوئی ہے مگر ان دو الفاظوں کو الگ کر کے بیان کیا جائے تو کن کا لفظ متعدد بار آئی ہے جس کا معنی ومفہوم وہ یہ لیتے ہیں کہ جب وہ کسی چیز کو یا کسی کام کو ہونے کو کہتا ہے تو ہو جاتا ہے چاہئے انسان کی بستی سے بلندی کی طرف جانا ہو چاہے معاشروں میں بے حیائی اور عریانی سے بچ کر ایک مہذب معاشرے کی تشکیل ہو چاہے غلامی سے آزادی ہو یا نفس امارہ سے نفس مطمئنہ تک کا سفر جو بھی اللہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور علامہ کن کا الفاظ اسی معنی مفہوم میں بار بار بیان فرمایا ہے کہ ناامید نہیں ہونا چاہیے بلکہ امید کے ساتھ اپنے اعمال کو اچھی سمجھ میں لے جانا چاہیے اور وہ اللہ تعالی کے حکم کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے-

28. لات و منات

قرآن مجید کے یہ الفاظ علامہ اقبال نے ضرب کلیم میں پانچ دفعہ ارشاد فرمایا اور ارمغان حجاز میں تین دفعہ ارشاد فرمائے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے

کلیات اقبال اردو، 711،653،690،629،720۔ میں ہے کچھ اشعار کا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں

اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات [1]

علامہ اقبال نے یہ قرآنی الفاظ ضرب کلیم میں نظم نماز میں بیان کیے ہیں جس میں فرماتے ہیں اگرچہ انسان بوڑھا ہو گیا ہے اور لاکھوں اور کروڑوں سالوں سے دنیا میں موجود ہے، لیکن وہ اب بھی بے خدا بتوں کی شکل میں جوان ہے۔ ان بتوں کے صرف نام بدلے ہیں، شکلیں بدلی ہیں، لیکن آدم کا ان پر جھکنا اب بھی وہی ہے جیسا کہ اس نے کعبہ میں ملعون کے بتوں کو سجدہ کیا تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ بت پتھر کے نہیں بلکہ کئی اور طرزوں کے ہیں جیسے لالچ، حاکمیت، اقتدار، ہوس۔ زروزان اور دیگر مختلف بتوں کی پوجا آج بھی لوگوں کا رواج ہے۔ اور یہ بت ان لوگوں کے لیے ہیں جو لالچ اور جھوٹ کے بندے ہیں نہ کہ خدا کے بندے ہر دور کی طرح اور آج بھی اپنے تمام تر حسن و جمال اور جوانی میں موجود ہیں۔

حریم تیرا، خودی غیر کی! معاذاللہ

دوبارہ زندہ نہ کر کاروبارِ لات و منات [2]

علامہ اقبال نے یہ قرآنی الفاظ ضرب کلیم میں تیاتر جس کے معنی تھیٹر کے ہیں تھیٹر کے اسٹیج پر اداکاروں سے گفتگو میں علامہ کہتے ہیں کہ میں نے اوپر نظم میں جس میں زاتی تشخص کا تزکرہ ہے وہ آپ میں نہیں ہے۔ کیونکہ اداکاری ایک تقلید ہے، اور چونکہ آپ ایک اداکار ہیں، آپ اپنی ذات کے بجائے کسی دوسرے کی کھال میں پھسل جاتے ہیں اور توبہ کرنے اور خدا کی پناہ مانگ کر اس سے رجوع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ لات و منات کا جو کام پہلے کعبہ میں ہوا وہ بت پرستی کا احیاء ہے۔

مقام بندۂ مومن کا ہے ورائے سپہر

زمیں سے تابہ ثُریّا تمام لات و منات [3]

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص550

[2] ایضاً، 618

[3] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص725

یہ نظم بطور مرثیہ لکھی اور فرماتے ہیں جو لوگ سچے مومن ہیں ان کا جنت سے پرے مقام ہے۔ چھ ستاروں کے درمیان چھ ستاروں کے جھرمٹ، زمین سے آسمان کی بلندیوں تک، اس کے لیے بت ہیں۔ اس کا دل نہیں دھڑکتا۔ اگرچہ وہ زمین پر رہتا ہے، وہ آسمان سے باہر کی دنیا کے ساتھ بات چیت کرتا ہے۔

علامہ اقبال نے یہ تلمیحات میں اقبال میں اپنے کلام میں عرب کی دو مشہور بتوں کے نام لیے ہیں جن کی لوگ سب سے زیادہ عزت اور ان کی پرتش کرتے علامہ مومنین کو یہ باور کروانا چاہ رہے ہیں کہ آپ لوگ اپنے نفس کے غلام اس طرح ہو گئے ہو جس طرح کفار ان بتوں کے ہو گئے تھے تو دنیا میں خوار ہو جانے کہ لیے تیار تھے۔ آج کے بت تبدیل ہو گئے ہیں آج حرس دولت، شہرت، عورت، زر، زمین، انسان کے اندر نئے بت ہیں اقبال یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اب عبادت مسلمان ان بتوں کی نہیں کرتے مگر وہ اپنے نفس کے غلام ہو کر اپنے اندر موجود بتوں کو پالتے ہیں اور پھر ان کو پوجتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں جس کی وجہ سے مسلمان ناکام ہیں۔

تفسیری جائزہ

أَفَرَءَيْتُمُ ٱللَّٰتَ وَٱلْعُزَّىٰ ، وَمَنَوٰةَ ٱلثَّالِثَةَ ٱلْأُخْرَىٰٓ [1]

(اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اس لات، اور اس عزی، اور تیسری ایک اور دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا)

لات، عزیہ اور منات ان بتوں کے نام ہیں جنہیں عرب کے مختلف قبائل نے مختلف جگہوں پر کھڑا کیا تھا اور انہیں دیوتا کے طور پر پوجتے تھے۔ قرآن پاک کہتا ہے کہ یہ بے جان پتھروں کے سوا کچھ نہیں۔ ان کو ماننا بڑی جہالت ہے۔

امین احسن اصلاحی اس کی شرح بیان کرتے ہیں

> کفار مکہ فرشتوں کو اللہ تعالی کے چھپے ہوئے بیٹیاں کہاں کرتے تھے اور یہ ان تین بتون کے نام تھے مکہ اور وہ قبائلی لوگوں کے لیے بہت معتبر تھے اور وہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے عرب میں جن تین بتوں کو سب سے

---

[1] سورہ النجم:19،20

زیادہ پوجا جاتا ہے شاہ وہ بھی یہی تھے اس لیے اللہ تعالی نے ان کے نام لے کر یہ واضح فرمایا کہ تمہارا کسی کام یعنی ا
سکیں گے اور یہ تو خود بے جان ہے [1]

علامہ اقبال نے اپنے کلام میں اٹھ جگہ پر مختلف عنوانات اور فکر میں ان بتوں کا ذکر کیا اقبال کے ہاں بت دولت، شہرت، پیسہ اور دیگر لوازمات بھی ہیں شامل ہیں اقبال ہر اس فکر کو بت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جو فکر ہمیں اللہ سے دور کرتی ہے اور ان کے ہاں یہ شرک ہے کہ جب آپ اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو اللہ تعالی کی اطاعت اور فرمانبرداری کے خلاف ہیں اور اپنی ان خواہشوں کی خاطر نافرمانبرداری کرتے ہیں وہ بیان فرماتے ہیں کہ بتوں کی جنگ ابھی بھی چل رہی ہے بس ان کی ہیت اور شکل تبدیل ہو گئے ہیں

29. حور

کلام اقبال میں قرآن کے یہ الفاظ 33 بار مختلف اشعار میں بیان ہوئے ہیں کچھ اشعار کا تجزیہ ہم پیش کرتے اور ان کے ہاں اس تلمیح کی کیا معنویت ہے اس کو بیان کیا جائے گا

قہر تو یہ ہے کہ کافر کو مِلیں حُور و قصور

اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور [2]

قرآن مجید یہ الفاظ علامہ اقبال کی مشہور نظم شکوہ میں بیان ہوئے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ کافر کو تم میسر ہے جہاں میں سب کچھ جو وہ چاہتا ہے اللہ تعالی کی نافرمانی کر کے حاصل کر لیتا ہے اور مسلمان کو اہل ایمان کو صرف حور کا وعدہ ہے یہ نظم شکوہ ہے کہ اج دنیا میں مسلمان زوال میں کیوں جی رہے ہیں یہ مصرا بھی پوری نظم کی طرح اللہ تعالی سے التجا کرتا ہے

تم میں حُوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں

جلوۂ طُور تو موجود ہے، موسیٰ ہی نہیں [3]

---

[1] اصلاحی، امین حسن، تدبر القرآن، جلد ہشتم ص 61

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص194

جواب شکوہ میں علامہ اس کا جو اسی تلمیح کا استعمال کر کے دیتے ہیں کہ اللہ تعالی آج بھی اس ہی تجلی اور اسی کرم کے ساتھ موجود ہے مگر آج حضرت موسی علیہ السلام کی طرح کوئی ذوق اور شوق کا دیدار الہی رکھنے والا موجود نہیں ان کی طرح کہ اللہ تعالی کا نام لینے اور اطاعت و فرمانبر داری میں کامل نہیں ہے جس کی وجہ سے مسلمان دنیا میں زوال پذیر ہیں اج بھی اگر اللہ تعالی سے ہمارا وہ تعلق قائم ہو جائے جو حضرت موسی کا تھا تو یہ بعید نہیں کہ اللہ تعالی مسلمانوں کو زوال سے عروج کی طرف لے جائیں اور ان پر اپنے کرم کے دروازے کھول دے

اُمیدِ حور نے سب کچھ سِکھا رکھا ہے واعظ کو

یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادے، بھولے بھالے ہیں[1]

علامہ اقبال بانگ درا میں مسلمان علماء کو سامنے رکھتے ہوئے وہ بیان کرتے ہیں وہ خود کو اور قوم کو حور و قصور کے وعدے پر منحصر رکھا ہوا ہے جس کا فیصلہ قیامت کے دن اعمال کی بنیاد پر کیا جائے گا یہ طنز علامہ اس لیے فرمارہے ہیں کہ علماء کرام جن کی ذمہ داری تھی دین اسلام کا سیاسی غلبہ حاصل کرنا اور سیاست اور ریاست کے معاملات کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق چلانا اس کے بر عکس علماء کرام نے نوجوان نسل کو جنت میں حوروں کے وعدے پر اکتفا کرتے ہوئے نوافل اور فرائض پر زور دیا اور ریاست کے معاملات سے الگ ہو گئے علامہ کا یہ فلسفہ بہت واضح ہے کہ جدا اور دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی اس لیے علماء کرام کو معاشرے میں ایک مضبوط کردار ادا کرنا ہو گا

عِلم میں بھی سُرور ہے لیکن

یہ وہ جنّت ہے جس میں حور نہیں[2]

---

[3] ایضاً، ص230

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، 127

[2] ایضاً، 375

بال جبرائیل کے پہلے حصے میں مختلف عنوانات پر مختلف غزلیں موجود ہیں وہاں اقبال علم کی تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ بے شک علم حاصل کرنے کا لائق جذبہ ہے لیکن یہ لائق جذبہ دل تک نہیں پہنچتا بلکہ دماغ تک محدود ہے۔ اس لیے علم در حقیقت جنت ہے جہاں حور کا تصور نہیں ہے۔ علامہ نے پہلے ایک نظم میں دل اور آنکھ کے فرق کا ذکر کیا تھا اور اس نظم میں وہ علم اور قلب کی بات کرتے ہیں۔

کلام اقبال میں حور کی اصطلاح کئی معنوں میں استعمال ہوئی ہے کہیں وہ جنت کی نعمتوں کے معنی میں کہیں وہ پاکیزہ نفس کے معنی میں اور کہیں مسلمانوں کو عمل کی طرف ترغیب دینے کے لیے استعمال ہوئی ہے

تفسیری جائزہ

"حور" حوراء کی جمع ہے اور ایک صفت اسم ہے، صنفی اسم نہیں۔ لفظ حور عربی میں "انسان"، "جن" یا "فرشتہ" جیسا لفظ نہیں ہے جو کسی مخصوص نوع یا جنس کی طرف اشارہ کرتا ہے، بلکہ یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کا مطلب ہے "اچھی شکل والا، لمبا قد اور کردار والا شخص"۔ لہٰذا "حسینہ" کے معنی میں لفظ "حور" اسلام کی آمد سے پہلے ہی عربوں میں مقبول تھا اور یہ وہ عرب استعمال کرتے تھے جو جنت نامی کسی چیز کو نہیں مانتے تھے۔ زیادہ تر ان کی بدو بیویاں یہ لفظ شہری عورتوں کے لیے استعمال کرتی تھیں۔۔ قرآن مجید میں صرف چار مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے ان حسنات کے لیے لفظ حور استعمال کیا ہے۔ الدخان:54، الرحمن:72، الواقعہ:22، الطور:20

مُتَّكِـِٔينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصۡفُوفَةٍۖ وَزَوَّجۡنَٰهُم بِحُورٍ عِينٍ [1]

(برابر بچھے ہوئے تکیوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے اور ہم ان کا نکاح بڑی بڑی (موٹی) آنکھوں والی حوروں سے کر دیں گے)

30. ید بیضا

[1] سورہ الطور:20

بانگ درا، بال جبریل، ارمغان حجاز میں اس تلمیح کو استعمال کیا ہے

بانگ دراسے

نہ پُوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو،

یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں۔[1]

بال جبریل سے

رہے ہیں، اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک

مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا[2].

علامہ اقبال نے اس تلمیح کو اپنے اشعار میں امید کی کرن کے طور پر اس کو استعمال کیا اور پھر مختلف معنی و مفہوم میں اپنے اشعار میں بیان فرماتے رہے بانگ درا میں بیان فرماتے ہیں جو کے نیک اور صالح بندے ہوتے ہیں جب انسان اس کے قریب ہو جاتا ہے تو پھر یہ بعید نہیں کہ وہ انسان کے اسی طرح مدد کرے جس طرح حضرت موسی کو معجزہ عطا کر مدد کی تھی.

اس طرح بال جبرائیل میں بھی مسلمان نوجوانوں سے خطاب فرماتے ہیں کہ اللہ کا نیک بندہ ہو گا وہ حکم کی تعمیل کرے گا دنیا میں اس کے نظام کے نفاذ کے لیے کوشش کرنا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ جب ہم ایسا کام کرنے کی کوشش کریں گے تو وقت فرعون گھات لگائے بیٹھے ہوں گے مگر ہمیں خوفزدہ نہیں ہونا کیونکہ اللہ تعالی ہمارے ساتھ ہیں جیسے ظلم کے خلاف حضرت موسی کے ساتھ تھے۔

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص130

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص364

علامہ محمد اقبال نے اپنا کلام میں قرآن مجید کی مختلف آیات کے کچھ حصہ اور کبھی مکمل مکمل آیت اپنے شعر میں بیان کر دی اس طرح وہ تلمیحات قرآنی تلمیحات باعتبار لفظی ہو گئی اس فصل میں ہم نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ اعتبار میں اپنے کلام میں ہ قرآنی آیات کا جو حصہ بیان کیا ہے اس کا معنی مفہوم وہ کیا بیان کرنا چاہ رہے ہیں دیگر مفسرین کے ہاں اس آیت کا کیا معنی اور مفہوم ہے۔

علامہ اقبال کے کلام اقبال میں چند مشہور تلمیحات کو پیش کرنے کہ بعد یہ واضع ہو تا ہے کہ اقبال نے زیادہ تر وہی معنی مفہوم استعمال کیے جو دیگر مفسرین نے بیان کیے ہیں اس کہ علاوہ بعض جگہ پر اس آیت کا معنی مفہوم الگ سے بھی بیان کیا گیا مگر وہ دیگر مفسرین کے قول کے خلاف نہیں تھا۔

بلکہ وہ اقبال کی شاعری کی مرہون منت تھا وہ پہلے اپنی فکر کو بیان کرتے ہیں پھر اس فکر کو مضبوط کرنے کے لیے وہ مختلف دلائل دیتے ہیں اور ان دلائل میں تاریخی مذہبی اور فلسفیانہ طرز غالب رہتا ہے اسی کے ساتھ چلتے ہوئے وہ قرآن کی آیت کا وہ حصہ بھی بیان کر دیتے ہیں جو ان کی فکر کی تائید کر رہا ہے ہو تا ہے اس طرح قاری تک وہ اپنا پیغام پہنچاتے ہیں۔

تلمیحات قرآنی کا جو انسان جو حصہ وہ اپنے کلام میں استعمال کرتے ہیں وہ شعر کے سیاق وسباق کے مطابق تو ہو تا ہی اس کے ساتھ ساتھ اس آیت کا معنی و مفہوم بھی وہی بیان کرتے ہیں جو دیگر مفسرین نے قرآن سے اخذ کیا ہے۔

ان تلمیحات کا جائزہ لینے کے بعد ان تلمیحات کا جائزہ لینے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں اقبال کا قرآن کے ساتھ بہت گہرا تعلق تھا جب بھی اپنے کلام میں قرآن کی کسی آیت کو استعمال کرتے ہیں اس کا معنی و مفہوم کو بہتر طریقے سے جانتے ہیں

فصل دوم: تلمیحات قرآنی بااعتبار معنی ومفہوم آیات کاتفسیری جائزہ

قرآنی بااعتبار معنی ومفہوم آیات کا تفسیری جائزہ۔

کلام اقبال میں قرآن کی آیات کو الفاظ کے بعد کسی آیت کا ترجمہ یا کسی مضمون کا مفہوم بیان کیا گیا ہے جس کو ہم نے تلمیحات قرآنی بااعتبار ترجمہ اور اعتبار مفہوم کہتے ہیں اس میں علامہ کے وہ اشعار جو کسی مضمون کی نمائندگی کرتے ہیں یا کسی آیت کے ترجمہ کو بیان کرنے کے بعد منتخب تفاسیر کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا کہ اقبال نے وہ مضمون یا وہ ترجمہ کس معنی و مفہوم میں بیان کیا ہے۔

بانگ درا میں تلمیحات

1. کبھی میں غارِ حرا میں چھُپا رہا برسوں

دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے [1]

علامہ اقبال نے بانگ درا کی نظم سرگزشتِ آدم میں انسان کا عروج و زوال بیان کیا ہے۔وہ اہل ایمان کے ساتھ ساتھ دیگر مذہبی شخصیات کا تذکرہ بھی اس نظم میں کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ کا کوہ طور پہ جانا اور صلیب کا واقعہ اور اسی نظم میں آپ ﷺ کا غار حرا میں عبادت میں مصروف ہونا اور پھر وہاں پر نزول قرآن کا شروع ہونا اور ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ اللہ تعالی کے پیغام کا آخری حصہ مکمل ہو چکا ہے ہر دین کے نعمت ابدی ہے قیامت تک جتنے بھی انسان آنے ہیں ان کی رہنمائی کا واحد ضرور ہے قرآن پاک میں اور اسی پر عمل کر کے وہ کامیاب ہو سکیں گے۔

تفسیری جائزہ

ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِينٗاۚ[2]

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص108

[2] سورۃ المائدۃ:03

(آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے)

امین حسن اصلاحی اس کی تشریح بیان کرتے ہیں:

> دین کی تکمیل سے مراد اصل دین کا مکمل ہونا اور نعمت سے مراد آخری شریعت کا اہتمام ہونا ہے. دین اسلام کا آغاز حضرت آدم سے ہوا اور پھر مختلف انبیاء کے آنے کے بعد اس کا رشتہ تو اس کا اختتام دین اسلام پر قرآن پاک پر آپؐ کی ذات پر ہوا اور قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لیے یہی رہنمائی کا ذریعہ ہے اور دیگر ادیان عالم کو باقی نہیں رکھا گیا ہے۔[1]

علامہ اقبال قرآن کی اس آیت کی ترجمانی کرتے ہیں کہ دین کا آغاز غار حرا سے ہوا اور پھر اس نے اس نعمت کو مکمل کر دیا۔ کامیابی کا واحد ذریعہ اس پر عمل کر کے حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالی کا پسندیدہ دین اسلام ہی ہے اور آپؐ کے ذریعے قرآن کی تکمیل ہوئی وہ انسانیت کے لیے ابدی مقام رکھتی ہے اس کے بعد نہ کسی نبی نے نہیں آنا اس لیے ہمیں اسلام پر عمل کرنا چاہیے۔

2. کُنویں میں تُو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا

ارے غافل! جو مطلق تھا مقیّد کر دیا تو نے[2]

یہ تلمی بانگ درا کی نظر تصویر درد میں بیان ہوئی ہے اس نظم میں علامہ کو مایوسی سے نکل کر امید کی طرف لانا چاہ رہے ہیں کہ جیسے حضرت یوسف کا منصب نبوت سب کے لیے تھا اور وہ قوم کے لیے ہدآیت لائے تھے مگر افسوس کہ وہ اس ہدایت کو نہ سمجھے اور مقید کر دیا۔ علامہ یہ بیان کرنا چاہ رہے ہیں کہ ایمان اور اسلام یہ قید و بند میں نہیں بلکہ آزاد اور مطلق ہیں۔ ہمیں امید اور ہمت کے ساتھ آگے بڑھیں اور منزل مقصود تک پہنچے۔

---

[1] اصلاحی، امین حسن، تدبر القرآن جلد دوم ص456

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص101

تُو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا

قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا[1]

علامہ اقبال نے دوسری جگہ یہ تلمیح جواب شکوہ میں بیان فرمائی ہے ان اشعار میں علامہ مسلمانوں کو وطن پرستی سے منع فرما رہے ہیں اور حضرت یوسف کی طرف بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آبائی علاقے کی طرح مصر کو بھی اپنا وطن سمجھا کیونکہ اہل ایمان کے لیے وطن کے حدود و قیود لازمی نہیں ہیں مکہ وہ جہاں بھی ہوتے ہیں اللہ اور رسول کے رنگ میں رنگے رہتے ہیں اقبال وطن پرستی کے سخت خلاف ہیں اور وہ مسلمانوں کو بیان فرماتے ہیں ان بتوں میں سے تراشا ہوا نیا بت وطن بھی ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو امت سے الگ کر کے جغرافیہ میں تقسیم کر دینا ہے۔

تفسیری جائزہ

قَالَ قَآئِلٞ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُواْ يُوسُفَ وَأَلۡقُوهُ فِي غَيَٰبَتِ ٱلۡجُبِّ يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ ٱلسَّيَّارَةِ إِن كُنتُمۡ فَٰعِلِينَ [2]

اس پر ان میں سے ایک بولا یوسف (علیہ السلام) کو قتل نہ کرو، اگر کچھ کرنا ہی ہے تو اسے کسی اندھے کنویں میں ڈال دو، کوئی آتا جاتا قافلہ اسے نکال لے جائے گا۔

حضرت یوسف کے واقعے کا بیان ہے علامہ اقبال نے یوسف کی تلمیح تلمیح مختلف معنی و مفہوم میں استعمال ایک جگہ میں نے وطن کے معنی مفہوم اور ہجرت کا ہے کہ مسلمان کسی ایک خاص حصے پر ہی زندگی گزارنے نہیں آتا وہ دین کی نصرت کے لیے اور اس کی تبلیغ کے لیے کسی بھی جگہ پہ جا کر نہ وطن اس کو بنا سکتے ہیں دوسری جگہ بھی حضرت یوسف کی تلمیح ہدایت کے معنی میں استعمال کی ہے کہ یہ عام ہے اس میں کوئی قیود نہیں ہے اس نے انسانوں کی رہنمائی فرمائی ہے اور اس کتاب کے ذریعے آنے والے انسان کامیابی کا انحصار بھی اسی پر ہے اس لیے ہمیں مقید کے بجائے مطلق سوچ رکھنی چاہیے اور انسانیت کی خدمت کرنی چاہیے۔

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص 101

[2] سورہ یوسف: 10

3. دنیا کے بُت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا ک

اہم اُس کے پاسباں ہیں، وہ پاسباں ہمارا[1]

بانگ درا کی نظم ترانہ ملی میں علامہ اقبال بیان فرماتے ہیں مسلمانوں کے لیے عبادت کا پہلا گھر خانہ کعبہ تھا اور بے شک اللہ تعالی نے ہماری رہنمائی فرمائی اور اس برکت اور خانہ کعبہ کی برکت کی وجہ سے کامیابی سے ہم کنار ہوئے ہیں اہل ایمان نے ہمیشہ اس کی حفاظت کے لیے کوشش کی اور خانہ کعبہ نے رہنمائی فرما کر ہماری حفاظت کی کیونکہ پوری دنیا میں اللہ تعالی کے گھر کی حیثیت خانہ کعبہ کو ہی حاصل ہے اور وہی سرزمین یہ ہماری ہدایت کا مرکز ہے۔

تفسیری جائزہ

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَٰلَمِينَ[2]

بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر وبرکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدآیت بنایا گیا تھا۔

امین حسن اصلاحی اس کی تشریح بیان کرتے ہیں:

> اللہ تعالی نے مختلف انبیاء کو مبعوث فرمایا اور ان کا زیادہ تر تعلق بنی اسرائیل سے تھا اور ان کا قبلہ بیت المقدس تھا جب اللہ نے آپؐ کو حکم دیا کہ بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو عبادت گاہ بنائیں تو یہود نے اعتراض کیا کہ سب انبیاء کا قبلہ بیت المقدس تھا تو مسلمانوں نے خانہ کعبہ کیوں بنالیا تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ بے شک سب سے پہلا گھر عبادت کا خانہ کعبہ ہی تھا[3]

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص186

[2] سورۃ آل عمران:96

[3] اصلاحی، امین حسن، تدبر القرآن،، جلد دوم ص145

اس کا آغاز بھی حضرت آدم علیہ السلام اس سے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تکمیل ہوئی اس کی موجودہ عمارت کی شکل دی اس آیت میں یہود کو اللہ تعالی نے جواب دیا ہے۔

4. بے خبر! تُو جوہرِ آئینۂ ایّام ہے

تُو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے[1]

تفسیری جائزہ

مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمۡ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَۗ وَكَانَ ٱللَّهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمًا[2]

(لوگو) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے)

بال جبرائیل میں تلمیحات

1. تُو نے یہ کیا غضب کیا، مجھ کو بھی فاش کر دیا

مَیں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں[3]

بال جبرائیل کی حصہ غزلیات کی پہلی غزل میری نوائے شوق میں یہ تلمیح ہے یہ پوری نظم رب کعبہ کی ذات سے متعلق ہے جس میں شاعر اللہ تعالی سے اپنی محبت اور عشق کو بیان کر رہا ہے اور اس غزل کے آخری حصے میں علامہ فرمارہے ہیں اے اللہ اس کائنات میں میں ہی وہ راز تھا جو عالم ارواح میں موجود تھا اور پھر آپ نے اس کو ظاہر کرنا چاہا اور ظاہر کر دیا وہ مجھے دنیا میں لے آئے اور یہ راز دنیا

---

1 محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص220

2 سورۃ الأحزاب:40

3 محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص345

تک پہنچادیا اس سے مراد انسان کا اشرف المخلوقات ہونا ہے اور وہ مخلوق جس کو اس نے عقل دے کر سب سے اعلی و عرفہ بنادیا ہے اس کو رازوں میں سب سے بڑا راز کہا ہے

اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی

خطا کس کی ہے یارب! لامکاں تیرا ہے یا میرا؟

اُسے صبحِ ازل انکار کی جُرأت ہوئی کیونکر

مجھے معلوم کیا، وہ راز داں تیرا ہے یا میرا[1]

بال جبرائیل کی حصہ غزلیات کے غزل میں یہ تلمیح بیان ہوئی ہے اس نظم میں علامہ بیان فرمارہے ہیں کہ دنیا میں اللہ تعالی کے بہت سے راز موجود ہیں چاہے وہ آسمان میں یا زمین میں ہوں اس طرح علامہ قصہ آدم پر بات کرتے ہیں اور بیان فرماتے ہیں کہ اے اللہ جب آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا اور ابلیس نے انکار کیا اس انکار کی وجہ بے شک آپ بہتر جانتے ہیں اور یہ آپ کے رازوں میں سے ایک راز ہے کہ وہ ابلیس جو عبادت اور اطاعت میں سب سے بلند تھا اس نے آپ کا حکم ماننے سے انکار کیوں کر دیا یہ اللہ آپ کا ہی راز ہے۔

تفسیری جائزہ

وَإِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلَٰٓئِكَةِ ٱسۡجُدُواْ لِأٓدَمَ فَسَجَدُوٓاْ إِلَّآ إِبۡلِيسَ أَبَىٰ وَٱسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ ٱلۡكَٰفِرِينَ [2]

(پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے اپنے جھک جاؤ، توسب 45 جھک گئے، مگر ابلیس نے انکار کیا وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا)

مولانا مودودی اس آیت کی تشریح بیان کرتے ہیں:

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، 346

[2] سورہ البقرہ: 34

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور جنات کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے انکار کر دیا۔ اس نے اللہ کے حکم سے منہ موڑ لیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ [1]

امین حسن اصلاحی اس آیت کی تشریح کرتے ہیں:

قرآن مجید میں تین مخلوقات کا ذکر ہے فرشتے جن اور انسان ان میں ابلیس یہ شیطانی کوئی مخلوق میں نہیں ہے بلکہ وہ جنوں اور انسانوں میں سے ہوتے ہیں اور اللہ تعالی کی نافرمانی کے روش کو قائم رکھتے ہیں اور وہ شیطانوں کے کی جماعت کے اولیاء میں سے ہو جاتے ہیں اور انہی لوگوں میں سے ایک جماعت نے حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا[2]

علامہ اقبال کی نزدیک ابلیس نے انکار کیا اب چاہے وہ جنوں کی جماعت میں سے ایک جماعت ہو یا انسانوں اور جنوں کے درمیان وہ لوگ جو اللہ تعالی کی نافرمانی کرنے کے بعد شیطانوں میں شامل ہو جاتے ہیں دونوں میں سے کوئی بھی ہو بات یہ بیان فرمارہے ہیں کہ اس جماعت کو یا ان لوگوں کو انکار کرنے کے جرات کیوں ہوئی حالانکہ وہ پہلے ایسے نہیں تھے اس میں بھی اس کا راز ہے اور اس راز کی وجہ وہ خود جانتا ہے۔

2. عروجِ آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

کہ یہ ٹُوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے [3]

بال جبرائیل کی غزلیات کی ایک غزل پریشان ہوں کہ میری خاک آخر دل نہ بن جائے یہ تلمیح میں بیان ہوئی ہیں اس نظم میں علامہ انسان کی معراج کی بات کرتے ہیں پہلے شعر میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ جنت میں جآنے کے بعد مجھے ڈر ہے کہ میری خاک دوبارہ اس

---

[1] سید ابوالاعلی مودودی، تفہیم القرآن ص64

[2] اصلاحی، امین حسن، تدبر القرآن ص118

[3] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص350

دل کے ساتھ پیدا ہو جاؤں اور پھر اسی طرح محبوب کی جدائی میں گزار ہوں اس طرح باقی اشعار میں بھی انسان کی عظمت کو بیان کرتے ہیں اور آخری شعر میں فرماتے ہیں آدم کے عروج کی وجہ سے چاہے وہ دنیاوی ہو یا روحانی ہو دنیاوی معراج کی بات کی جائے انسان کی ترقی ہے اور روحانی معراج کی بات کی جائے تو آپؐ کو ملاقات کا شرف حاصل کرنا ہے جو فرشتوں کو حاصل نہیں ہوا فرشتے اس سے ڈرتے ہیں کہ آدم کو عروج ملا تو کامل بن جائے گا کیونکہ اللہ تعالی نے انسان کے اندر کامل ہونے کی صفات رکھی ہیں۔

سبق مِلا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے

کہ عالمِ بشَرِیّت کی زد میں ہے گردُوں[1]

آپؐ کا معراج کا سفر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے بشر کو بہت سارے علم و عرفان سے نوازا ہیں اور اس کی پہنچ بہت دور تک ہے یہاں تک کہ جہاں کوئی ملائکہ یا ان کا سردار بھی نہیں جا سکتا یہ اللہ تعالی کی کرم نوازی ہے جو اس اشرف المخلوقات کو حاصل ہوئی ہے انسان اپنی محنت اور لگن سے وہ مقام بھی حاصل کر سکتا ہے جہاں دوسری مخلوق اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

تفسیری جائزہ

سُبۡحَٰنَ ٱلَّذِيٓ أَسۡرَىٰ بِعَبۡدِهِۦ لَيۡلٗا مِّنَ ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡحَرَامِ إِلَى ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡأَقۡصَا ٱلَّذِي بَٰرَكۡنَا حَوۡلَهُۥ لِنُرِيَهُۥ مِنۡ ءَايَٰتِنَآۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡبَصِيرُ[2]

(پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے، تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا)۔

اس آیت میں واقعہ معراج کا ذکر ہے جس میں جبرائیلؑ، آپؐ کو سفر پر لے گئے معراج کہ دو حصے ہیں ایک حصہ جو مسجد حرم سے شروع ہو کر مسجد اقصی تک ہیں جہاں پر آپ نے تمام انبیاء کی امامت کاروائی اس کے بعد دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے جو ساتوں آسمان

[1] ایضاً ص364

[2] سورہ بنی اسرائیل:01

تک جب اسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر گئے ہیں اور پھر جنت میں اس درخت کے پاس لے کے گئے جس کا نام صراط المنتہی ہیں جہاں سے آگے جبرائیل علیہ السلام کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی۔

علامہ اقبال اس واقعے کی طرف اشارہ کر کے ہم دو چیزیں بیان فرمارہے ہیں ایک انسان اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے انسان کو وہ مقام عطا فرمایا ہے جو کسی دوسری مخلوق کو نہیں چاہیے وہ فرشتے ہوں یا جن ہوں ان کو عطا نہیں فرمایا اور آپؐ اور انسانوں میں سب سے افضل اور اعلی ہیں اور جب آپؐ کو جنت دوزخ اور آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو یہ انسان کی معراج تھی کسی انسان نے یہ مقام حاصل نہیں کیا تھا دوسری چیز علامہ بشر کو محنت اور لگن کے ساتھ اپنا کام کی تلقین کر رہے ہیں اور بیان فرمارہے ہیں کہ رب کعبہ نے اتنا اونچا مقام دیا ہے انسان ستاروں سے آگے بھی جا سکتا ہے کیونکہ یہ سارے اس کی زد میں آجاتے ہیں اس کے علم عقل عرفان کی وجہ کامیابی کے اس مقام تک پہنچ سکتا ہے جہاں تک کوئی اور تصور نہیں کر سکتا۔

3. یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی

سِکھائے کس نے اسمٰعیلؑ کو آدابِ فرزندی[1]

بال جبرائیل کی حصہ غزلیات کی میں بیان فرمائے ہیں اس غزل میں انسان کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تلقین کرنی چاہیے اور اس کے ساتھ اس سے محبت اور عشق و بیان کرتے ہیں وہ بیان فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو خواب سنایا اور وہ خواب سننے کے بعد حضرت اسماعیل نے صبر کیا اور اطاعت اور فرمانبرداری کی مثال بن گئے ہیں اقبال بیان کرنا چاہ رہے ہیں کہ اس کی وجہ کیا تھی حضرت ابراہیم کا فیض تھا یا کوئی کرامت تھی کہ خواب سننے کے بعد بھی حضرت اسماعیلؑ نے اطاعت کا عہد کیا۔

تفسیری جائزہ

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ ٱلسَّعۡيَ قَالَ يَٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرَىٰ فِي ٱلۡمَنَامِ أَنِّيٓ أَذۡبَحُكَ فَٱنظُرۡ مَاذَا تَرَىٰۚ قَالَ يَٰٓأَبَتِ ٱفۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُۖ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ [2]

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص353

(وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیم (علیہ السلام) نے اس سے کہا ،بیٹا، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے ؟ اس نے کہا، ابا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے، آپ انشاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے).

حضرت ابراہیم نے خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت اسماعیل کو ذبح کر رہے ہیں انہوجب یہ خواب حضرت اسماعیل کا سنایا جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ آپ مجھے صابر پائیں گے حضرت ابراہیم کا خواب اللہ کا حکم تھا جس کی تکمیل انہوں نے کرنی تھی اور بعد میں اللہ تعالی نے حضرت اسماعیلؑ کی جگہ دنبے کر بھیج کر حضرت ابراہیم کا امتحان لیا یہ امتحان حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل دونوں کے صبر و شکر کا تھا جس میں وہ دونوں کامیاب ہوئے۔

4. عطّارؔ ہو، رومیؔ ہو، رازیؔ ہو، غزالیؔ ہو

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحَر گاہی[1]

بال جبرائیل کی قصہ غزلیات کے غزل ہے اس غزل میں میں علامہ فرماتے ہیں جب انسان اللہ کا قرب اختیار کرتا ہے تو وہ اس کو بہت ساری کامیابی عطا فرماتا ہے اور مختلف علوم و فنون میں اس کو اس مقام پر پہنچاتا ہے جہاں پہ کسی دوسرے کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے اسی کو سامنے رکھتے ہوئے بیان فرماتے ہیں خواجہ فرید الدین عطا، مولانا روم، امام رازی اور امام غزالی یہ سارے بزرگ اس لیے اس مقام پر پہنچے ہیں کہ وہ اللہ تعالی کی معرفت کے لیے تہجد کی نماز کو زندگی کا معمول بنایا اور اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط بنایا جس کی وجہ سے وہ عظیم دانشور مفکر اور صوفی بن سکے۔

تفسیری جائزہ

وَمِنَ ٱلَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهِۦ نَافِلَةٗ لَّكَ عَسَىٰٓ أَن يَبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامٗا مَّحۡمُودٗا [2]

---

[2] سورۃ الصافات:102

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص385

[2] سورہ بنی اسرائیل:79

(اور رات کو تہجد پڑھو، یہ تمہارے لیے نفل ہے، بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کر دے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ آپؐ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ رات کے پچھلے پہر اس کی حمد و ثنا اور عبادت کی جائے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کا دل اور مضبوط کر دے گا اور آپ ان لوگوں کا مقابلہ کر سکیں گے جو لوگ دین اسلام کی تبلیغ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں بعض مفسرین کے نزدیک یہ نماز آپؐ پر فرض تھی اور بعض کے نزدیک نفلی عبادت تھی جو آپؐ کیا کرتے اور بے شک آپؐ کو مقام محمود کی جنت میں سب سے اونچا مقام جہاں پر آپ کھڑے ہو کر امت کی شفاعت کریں گے۔

علامہ اقبال نے اپنے کلام میں استعمال کی اہمیت کو بہت دفعہ اجاگر کیا ہے اور بار بار یہ تلقین کہ اہل ایمان کہ وہ لوگ جو رہبر اور رہنما دانشور بنا چاہتے ہیں جو کسی بڑے مقام تک جانا چاہتے ہیں تو کہ ان کے قلب کی صفائی ہو اور وہ اپنی اس نماز سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے مل سکتی ہے اور چار بڑے بزرگوں کا نام لکھ کے یہ واضح کرنا چاہ رہے ہیں چاہے وہ عقلی ہوں سائنسی کام ہو یا صوفیانہ کام ہو یا فلسفے کا کام ہو کوئی بھی کام ہو جو انسانیت کی بالائی کے لیے ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہو اور اس کی معرفت حاصل کر کہ اللہ تعالیٰ کی تائید ملنے کے بعد دوسروں کی رہنمائی کر سکتا ہوں۔

5. یقیں، مثلِ خلیل آتش نشینی یقیں،

اللہ مستی، خود گُزینی[1]

بال جبرائیل کی عصہ رباعیات کی ایک رباعی میں کہ پہلے شعر میں یہ تلمیح بیان ہوئی ہے اس میں علامہ یقین کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ یقین حضرت ابراہیمؑ کا اس کی ذات پر تھا کہ انہوں نے بے خوف و خطر اگ میں چھلانگ لگا دی اس کی وجہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین تھا اور یہ اور بندہ مومن کا یقین ایسا ہی ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسے کی بہترین مثال یہی واقعہ ہے

تفسیری جائزہ

قُلۡنَا يَٰنَارُ كُونِي بَرۡدٗا وَسَلَٰمًا عَلَىٰٓ إِبۡرَٰهِيمَ [2]

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص406

(ہم نے کہا" اے آگ، ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم (علیہ السلام) پر)

امین حسن اصلاحی اس آیت کی تشریح کرتے ہیں:

> حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں پھینکا گیا تو آگ کو حکم ہوا وہ ٹھنڈی ہو گئی اس میں کوئی استعارہ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور یہ مشکل نہیں کہ اللہ تعالی اپنے نبی کے لیے قانون فطرت کو تبدیل کر دے اگر اللہ تعالی چاہیں تو ان کو تبدیل کر سکتا ہے حضرت ابراہیمؑ کا معجزہ تھا۔[1]

علامہ محمد اقبال اس تلمیح میں اللہ تعالی کی ذات پر یقین کا مفہوم سمجھانا چاہتے ہیں ایک بندہ مومن کا اللہ تعالی کی ذات پر کیسا یقین ہونا چاہیے ایسا یقین جیسے حضرت ابراہیمؑ کا اس کی ذات پر تھا جب ہم توکل اپنے رب پر کرتے ہیں تو اللہ تعالی اس کے بدلے میں ہمیں وہ عنایت فرماتا ہے جس کی ہم توقع اللہ سے کر رہے ہوتے ہیں اس لیے اللہ کی ذات سے کبھی ناامید نہ ہونا بلکہ یقین محکم رکھنا چاہیے اور اللہ تعالی انسان کو نوازتا ہے صبر و شکر کے ساتھ اللہ کی حمد و ثنا کرنی چاہیے۔

6. قافلۂ حجاز میں ایک حُسینؓ بھی نہیں

گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات[2]

علامہ نے یہ تلمیح بال جبرائیل کی نظم میں بیان کی ہے اس کے اشعار زیادہ تر فلسطین میں لکھے گئے ہیں علامہ بیان کرتے ہیں اگر میں عرب کے ساتھ زمین پر نظر دوڑایو تو مجھے کوئی حسین نظر نہیں اتا گویا کہ آج بھی عرب کی سرزمین پر ظلم اور ستم کی حکومتیں قائم ہیں اور وہی ظلم کیا جارہا ہے جو یزید کے دور میں تھا مگر اس دور میں حضرت امام حسینؓ تھے مگر آج ان جیسے شخصیت کردار عمل و گفتار میں کوئی نہیں ہے جو ظالم حکومتوں کے سامنے کھڑے ہوں دین کی آواز کو بلند کر سکیں اور عوام کو ان کے ظلم سے بچا سکیں۔

---

[2] سورہ الانبیاء:69

[1] اصلاحی، امین حسن، تدبر القرآن،، جلد پنجم ص162

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص439

تفسیری جائزہ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا [1]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں تنازع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریقِ کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے)

اس آیت میں اللہ، رسولؐ کی اور جو صاحب امر لوگوں کی اطاعت لازم ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالی نے منصب نورانی عطا فرمایا ہے منصب حکمرانی عطا فرمایا ہے ان کی اطاعت کرنی چاہیے اور اس وقت تک ان کی اطاعت لازم ہے جب تک وہ صریح کفر کی طرف نہیں جاتے۔ اسلامی ریاست کو چلانے کے لیے یہ ایک بنیادی نقطہ ہے جس پر عمل کر کے معاشرے کو مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔ پھر فرمایا گیا کہ جب اہل ایمان کے درمیان کوئی ایسا معاملہ آ جائے جس کا وہ حل نہ نکال سکیں تو پھر قرآن وسنت سے رہنمائی لینی چاہیے کیونکہ یہی واحد ذریعہ ہے کہ ہم اپنے تنازعات کو حل کر سکتے ہیں اور آگے بڑھ سکتے ہیں۔

علامہ اقبال یہ واضح کرنا چاہ رہے ہیں کہ اللہ تعالی نے جو صاحب امر لوگون کی اطاعت کا حکم دیا ہے وہ اس وقت تک ہے جب تک اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی نہیں کرے گا۔ جب وہ دین سے روح گردانی کرے گا تو اس کے خلاف حضرت امام حسینؓ کی طرح میدان میں نکلنا چاہیے جیسے وہ یزید کے خلاف نکلے تھے کیونکہ یزید نے اللہ تعالی اطاعت اور فرمانبرداری کو ترک کر دیا تھا اور بہت سارے شرعی احکام کو تبدیل کرنے کی کوشش کی یا تبدیل کر دیے جس کے خلاف حضرت امام حسین میدان میں آئے۔ آج ہمیں حسینی کردار کی ضرورت ہے ہم جابر اور ظالم حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق بلند کرے۔

7. صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبر حُسینؓ بھی ہے عشق

---

[1] سورہ النساء:59

معرکۂ وجود میں بدر و حُنَین بھی ہے عشق[1]

علامہ اقبال نے یہ تلمیحات نظم بال جبرائیل کی نظم ذوق و شوق میں بیان کیا جس کے اشعار فلسطین میں نکل گئے اور اس میں اس نظم میں وہ زیادہ تر سیاسی حالات کو بیان کر رہے ہیں اور یہاں پر انہوں نے چار خاص واقعات کا ذکر فرمایا ہے۔ صدق خلیل سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے نظام کے خلاف جانا تھا صبر حسین حضرت امام حسین کا یزید کے نظام کے خلاف جانا تھا۔ اقبال یہ واضح کرنا چاہ رہے ہیں کہ دین اسلام کی ترویج کے لیے مختلف مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کے لیے نظام کے اپنے کھڑا ہونا پڑتا ہے جسے اللہ کے انبیاء اور ان کی ال نے ظالموں کے اپنے کھڑے ہو کر ہمیں سبق دیا ہے۔

ضرب کلیم میں تلمیحات

1. قُم بِاذنِ اللہ

جہاں اگرچہ دِگرگُوں ہے، قُم بِاذنِ اللہ

وہی زمیں، وہی گردُوں ہے، قُم بِاذنِ اللہ

کیا نوائے 'انا الحق' کو آتشیں جس نے

تری رگوں میں وہی خُوں ہے، قُم بِاذنِ اللہ

غمیں نہ ہو کہ پراگندہ ہے شعور ترا

فرنگیوں کا یہ افسُوں ہے، قُم بِاذنِ اللہ[2]

علامہ نے قرآن مجید کے یہ الفاظ اپنی کتاب ضرب کلیم کی ایک نظم "قُم بِاذنِ اللہ" میں بیان کیے ہیں

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص440

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص579

وہ فرماتے ہیں اگرچہ موجودہ دور کی دنیا بالکل تبدیل ہو چکی ہے اور اہل مغرب کی وجہ سے دنیا والے مادہ پرست ہو گئے ہیں ان کی تہذیب جہالت پھیلا رہی ہے جس کے نتیجے میں ہر طرف انسان نما حیوان پھر رہے ہیں اور اگرچہ یہ دنیا اے شخص یعنی اے مرد مسلمان تیرے مزاج اور عقیدے کے موافق نہیں ہے لیکن تو اللہ کے حکم سے اٹھ اور اس مردہ جہان میں بھی وہی زندگی پیدا کر دے جو اسلام اور ایمان نے پیدا کر دی تھی۔ زمین و آسماں کا مالک وہی ہے لیکن آسمان کے نیچے رہنے والے اہل زمین بدل چکے ہیں۔

ان کی اس بدلی ہوئی زندگی کو اللہ کے حکم سے پھر کارآمد بنانے کی ضرورت ہے۔ تو اے مردِ مسلمان اٹھ اور اس دور کو تبدیل کر دے۔ اے مسلمان تیری رگوں میں وہی خون ہے جس نے منصور حلاج میں انا الحق (میں حق ہوں) کی آواز پیدا کر دی تھی اور وہ دار سے بے پروا اپنے اعلانِ حق پر قائم رہا۔ اے مسلمان تیرا خون نہیں بدلا۔ تہذیب حاضر نے تجھے بدل دیا ہے۔ اپنے اندر جھانک تیرے اندر بھی انا الحق خون موجود ہے۔

غلام مہر رسول اس کی شرح بیان کرتے ہیں کہ:

> اس کی حرارت سے اللہ کے حکم کے تحت اٹھ کر دنیا کو بدل دے اور باطل کی جگہ حق قائم کر دے اے مسلمان اگر آج تیری عقل و شعور میں انتشار نظر آتا ہے تو غمگیں نہ ہو کیونکہ یہ انتشار حقیقی نہیں صرف تیرے ذہن میں ہے۔ تو خود اپنی اسلامی اصلیت اور خون پر قائم ہے۔ اہل مغرب نے اپنی تہذیب و ثقافت کے ذریعے تیرے ذہن میں یہ عارضی انتشار پیدا کر دیا ہے۔ ان کے جادو کو توڑ دے اور اللہ کے حکم سے اٹھ کا نعرہ لگا اور مسلمان قوم کو اور اس جہان کو بدل دے [1]
>
> مُردہ عالَم زندہ جن کی شورشِ قُم سے ہُوا
>
> آدمی آزاد زنجیرِ توہّم سے ہُوا [2]

[1] غلام رسول مہر، مولانا، مطالب ضرب کلیم، ص120

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، ص133

علامہ نے دوسری جگہ صرف " قم "کا لفظ استعمال کیا ہے اس کا معنی اٹھ، یا قیام کے ہیں اس اصلاح سے علامہ کے کلام میں صرف ایک ہی شعر بانگ درا کی نظم " صقلیہ " میں موجود ہے۔ اقبال جب بحری جہاز کے ذریعے یورپ سے ہندوستان واپس آرہے تھے تو ان کا جہاز صقلیہ کے جزیرے سے بھی گزرا جسے دیکھ کر اقبال کہتے ہیں کہ وہ سامنے عرب مسلمانوں کی شان و شوکت اور تہذیب کا مزار نظر آرہا ہے اس کے باقیات کو دیدۂ عبرت نگاہ سے دیکھ اور پھر خون کے آنسو بہالے اور فرماتے ہیں کہ مسلمان وہ تھے جن کے نعروں سے اس وقت کے مردہ عہد میں جان پڑ گئی تھی اور وہاں کے باسی توہمات کی دنیا سے نکل کر آزاد فضا میں سانس لینے لگے تھے مگر اب وہ دور نہیں رہا مسلمان غلامی پے رضامند ہو گئے ہیں اس لیے علامہ بار بار مسلمانوں کو اٹھنے کی تلقین کرتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ اپنے حق کہ لیے ماضی جیسی شان و شوکت کو واپس لانے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

قُم بِاذنِ اللہ' کہہ سکتے تھے جو، رُخصت ہوئے

خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن [1]

قرآن کے یہ الفاظ علامہ نے بال جبرائیل میں موجود نظم "خانقاہ" کا ہے جس میں وہ صوفیاء پر گفتگو کرتے ہیں کہ جس عہد میں ہم سانس لے رہے ہیں اشاروں، کنایوں اور علامتی سطح پر بات کرنے کا عہد نہیں۔ یہاں تو صاف اور کھری بات کرنے کی ضرورت ہے ۔یوں بھی میں تصنع کا قائل نہیں ہوں چنانچہ کسی لگی لپٹی کے بغیر اپنے مطمع نظر کو واضح کر دیتا ہوں۔

غلام مہر رسول اس کی شرح بیان کرتے ہیں کہ:

> سو امر واقع یہ ہے کہ وہ لوگ جو قم باذن اللہ کہہ کر مردوں کو پھر سے زندہ کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اب ہمارے درمیان موجود نہیں رہے۔ اب تو خانقاہوں میں ان لوگوں کی جگہ ایسے لوگ باقی رہ گئے ہیں جو یا تو مجاور ہیں یا پھر قبر کھودنے والے۔ مراد یہ ہے کہ خانقاہیں ان درویشوں کی آماجگاہ ہوتی تھیں جن کے دل عشق الٰہی سے معمور ہوتے تھے ان میں قدرت نے یہ صلاحیت پیدا کر دی تھی کہ قم باذن اللہ کہہ کر زندہ کر دیتے تھے جب کہ اب تو خانقاہوں میں مفادات کے بندے باقی رہ گئے ہیں جو پیسے کے لیے سب کچھ کرنے پر آمادہ رہتے ہیں [2]

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، بال جبرائیل، ص45

[2] غلام مہر رسول، مطالب بال جبرائیل، ص150

علامہ محمد اقبال اس تلمیح ہے واضح طور پر مسلمانوں کو دوبارہ زندہ اور جاوید اں ہونے کا درس دینے کی کوشش کر رہے ہیں اور قرآن کی اس آیت کی ترجمانی کر رہے ہیں جس میں حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کا ذکر کیا گیا ہے آج اگر مسلمان اپنی بساط کے مطابق کھڑے ہو جائیں تو کامیابی ان کا مقدر ہو جائے گی۔

تفسیری جائزہ

وَأُبْرِئُ ٱلْأَكْمَهَ وَٱلْأَبْرَصَ وَأُحْيِ ٱلْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ ٱللَّهِ[1]

(اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور مردے کو زندہ کرتا ہوں)

حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کا ذکر ہے ایک معجزہ یہ تھا کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور جو پیدائشی اندھے ہوتے تھے ان کو روشنی عطا کر دیتے تھے. جب وہ کسی کو نبوت عطا فرماتا ہے تو وہ نبی کہلاتے ہیں اور پھر یہ ضروری ہے کہ ان کو اتنی طاقت بخشی جائے کہ اگر کوئی معجزہ دیکھنا چاہے تو ان کو دیکھا سکے اور لوگ اللہ تعالی کی وحدانیت کا اقرار کر سکیں۔

2. اگر کوئی شعیب آئے میّسر

شبانی سے کِلیمی دو قدم ہے[2]

بال جبرائیل کی حصہ رباعیات کی ایک رباعی میں کہ دوسرے شعر میں یہ تلمیح بیان ہوئی ہے۔ اس تلمیح کا ااشارہ اللہ تعالی کے دو پیغمبر حضرت موسیٰؑ اور حضرت شعیبؑ کا ذکر بیان ہوا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ حضرت شعیبؑ کی صحبت میں گئے اور 12 سال ان کی خدمت میں رہے تو اللہ تعالی نے ان کے ذریعے موسیٰؑ کی تربیت کی جس کو اگلے شعر نے اقبال نے بیان فرمایا شعبانی سے کلیمی دو قدم ہے پہلے وہ بکریاں چراتے تھے حضرت شعیبؑ کی اور پھر انہوں نے اللہ سے بات کرنا شروع کر دیے بے شک یہ اللہ تعالی کا کرم اور فضل تھا۔

---

[1] سورۃ آل عمران:49

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص413

تفسیری جائزہ

قَالَ إِنِّيٓ أُرِيدُ أَنۡ أُنكِحَكَ إِحۡدَى ٱبۡنَتَيَّ هَٰتَيۡنِ عَلَىٰٓ أَن تَأۡجُرَنِي ثَمَٰنِيَ حِجَجٖۖ فَإِنۡ أَتۡمَمۡتَ عَشۡرٗا فَمِنۡ عِندِكَۖ وَمَآ أُرِيدُ أَنۡ أَشُقَّ عَلَيۡكَۚ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ [1]

اس کے باپ نے ﴿موسیٰ (علیہ السلام) سے﴾ کہا" میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں بشرطیکہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو اور اگر دس سال تک پورے کر دو تو یہ تمہاری مرضی ہے۔ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا۔ تم انشاء اللہ مجھے نیک آدمی پاؤ گے۔

امین حسن اصلاحی اس آیت کی تشریح کرتے ہیں:

> حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیؑ کو کہا کہ آپ اٹھ سال خدمت کریں یا 10 سال خدمت کریں تو ایک اسرائیلی روآیات کے مطابق ایک بیٹی کا نکاح حضرت موسیؑ سے کر دیا گیا اور 10 سال وہاں رہے اور واپسی کے سفر پہ انہیں وہ درخت نظر آیا جس نے حضرت موسیؑ کو اپنے پاس بلایا[2]

علامہ اقبال اس تلمیح کو اس معنی و مفہوم میں بیان کر رہے ہیں کہ جب کوئی شخص اللہ کے نیک بندوں کی صحبت میں مل جاتا ہے تو اثر ضرور ہوتا ہے اور پھر اس کی مثال موسیؑ کی دیتے ہیں کہ کیسے انہوں نے حضرت شعیبؑ کی بکریاں چرائیں اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور اللہ تعالی نے ان کو منصب نبوت عطا فرمایا۔ علامہ کے نزدیک یہ 10 سال حضرت موسی کی آنے والی ذمہ داری کے لیے بہت ضروری تھا اور یہی اللہ کی رضا بھی تھی کہ وہ اللہ کے نیک بندے کے پاس رہیں اور اپنا تزکیہ نفس مضبوط کریں کہ کل جس امتحان میں ان کو ڈالا جا رہا ہے اس کو وہ مکمل کر لیں۔ تزکیہ نفس علامہ کے شاعری کا مستقل مضمون ہے جس کو وہ متعدد مرتبہ اپنے کلام میں بیان کر چکے اور اپنے لیکچرز میں بھی انہوں نے اس کو بیان فرمایا ہے کہ بندہ مومن اپنی خودی کو مضبوط کرنے کے لیے لازمی ہے اسی وقت ممکن ہے جب وہ صالحین کی صحبت میں جائے گا بیٹھے گا۔

---

1 سورہ القصص:27

2 مین حسن اصلاحی، تدبر القرآن،، جلد پنجم ص 671

3. فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے

ضرب کاری ہے، اگر سینے میں ہے قلبِ سلیم [1]

یہ تلمیح ضرب کلیم کی نظم ملوکیت و فکر میں بیان ہوئی ہے علامہ بیان فرمارہے ہیں اس کے کچھ چنیدہ بندے جن کو اللہ قلب سلیم عطا ہوتا ہے وہ میدان جنگ میں بغیر ساز و سامان کے بھی جاسکتے ہیں ان کی شخصیت و کردار میں اللہ اتنا رعب ڈال دیتا ہے کہ وہ جہان کے جہان فتح کر سکتے ہیں۔ اس نظم میں ملوکیت کے خلاف نکلنے والے مومنین کی صفات کو اقبال بیان فرمارہے ہیں کہ ان کا دل قلب سلیم ہونا چاہیے پھر ہی کوئی کلیم جاکر فرعونوں سے ٹکرائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اپنی خودی کو اتنا مضبوط بنا کر میدان میں اترا جائے راس سے کامیابی ملے گی۔

تفسیری جائزہ

إِلَّا مَنْ أَتَى ٱللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ [2]

بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو

قلب سلیم سے مراد وہ والا دل ہے جو شرک اور فسق و فجور سے پاک ہو اور وہ ہر وقت اللہ تعالی سے ڈرتا رہے اور اس کے احکامات کی پیروی کر کے اپنی توانائیوں کو لگا دے اس دل میں نہ دنیاوی محبت ہو نہ ہی کسی اور چیز کی محبت جو اللہ سے اس کو دور کر دے۔ جب ایسا دل اللہ تعالی کے حضور پیش ہو گا تو وہ ان کو معاف فرمائے گا۔

علامہ اقبال قلب سلیم سے مراد وہی دل مراد لیتے ہیں جس میں اللہ تعالی کی محبت مجزن ہو اور اس کی پیروی اور اطاعت میں زندگی بسر ہو جو دل فسق و فجور کے ساتھ ساتھ ریاکاری اور بری عادات سے پاک ہو جب ایسا مومن میدان جنگ میں اترے گا تو اللہ تعالی

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص542

[2] سورہ الشعرا:89

اس کے پاک بھی کو دیکھتے ہوئے مومنین کو فتح عطا فرمائے گا صوفیا کے ہاں قلب سلیم تک جآنے کے لیے مختلف وظائف اور نفلی عبادات بتائی جاتی ہیں اور ان کا مقصد تطہیر بالقلب ہوتا ہے جس کا حکم اللہ تعالی نے دیا ہوا ہے

4. ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن[1]

یہ تلمیح ضرب کلیم میں بیان ہوئی ہے جس میں علامہ بیان فرمارہے ہیں کہ مومن کییہ صفات ہیں کہ جب وہ اپنے دوستوں میں اور اہل وعیال میں یہ حلقہ یاراں میں بیٹھا ہوتا ہے تو وہ نرم ہوتا ہے اس کی گفتگو پاکیزہ ہوتی ہے اس کی ہمت اور حوصلہ زیادہ ہوتا ہے اور عمل پیہم ہوتا ہے اور یہی مومن جب میدان جنگ میں ہوتے ہیں باطل قوتوں کے خلاف مصروف عمل ہوتا ہے تو پھر وہ سخت بن جاتا ہے کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے احکامات پر کوئی کمپر ومائز نہیں کرتا نہ ان پر عمل ہونے میں دے سکتا ہے۔

تفسیری جائزہ

مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ ٱللَّهِۚ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡۖ تَرَىٰهُمۡ رُكَّعٗا سُجَّدٗا يَبۡتَغُونَ فَضۡلٗا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِضۡوَٰنٗاۖ[2]

حضرت محمدؐ کی صفات کے بارے میں بیان ہوا ہے کیسے وہ اپنوں کے ساتھ نرمی محبت اور شفقت فرماتے ہیں اور جب اللہ کے دین کی بات آجائے باطل کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں اور مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہی پیغام تمام مومنین کے لیے ہے کہ ہم آپؐ کے اخلاق مبارک کے اوپر چلیں اور اس کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں۔

مومنین کو آپس میں رحم دل شفقت اور محبت والا ہونا چاہیے اور کفار کے مقابلے میں سخت رویہ رکھنا چاہیے۔ جو لوگ اللہ کے دین کی سربلندی کی مخالفت کریں ان کے لیے نرمی نہیں ہوتی اور اس وقت اللہ کا حکم ہی سب سے زیادہ اہمیت کامل ہوتا ہے مگر یہ رویہ کفار

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص558

[2] سورہ الفتح:29

کے لیے ہے اپنوں کے لیے رحمت ہونی چاہیے یہ زندگی کو آسان بنانا چاہیے۔یہی قرآن کا پیغام اور آپ ؐ کا اخلاق ہے علامہ اس پر عمل کرنے کی تلقین فرمار ہے ہیں۔

5. دِیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت

ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا[1]

علامہ نے یہ تلمیح از مغان حجاز کی نظم بوڑھے بلوچ کی بیٹے کو نصیحت میں بیان فرمائی ہے علامہ دور جدید کے فتنوں میں سے ایک فتنے کو بیان فرمار ہے ہیں اس میں مذہب اور سیاست کو الگ رکھا جار ہا ہے اقبال فرمار ہے ہیں کسی بھی وجہ سے اگر تمہارا مذہب تمہارے ہاتھ سے جاتا ہے تو بے شک یہ خسارہ سب سے بڑا خسارہ ہے چاہے وہ سیاسی معاشییا اخلاقی طور پر ہو۔ایک مومن کے پاس سب سے بڑی دولت دولت ایمان ہوتی ہے جس کی حفاظت ایک ذمہ داری ہے اگر اس کی حفاظت میں ناکام رہا تو بے شک گمراہ ہو گیا اور اپنے ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا اس کو جآنے مت دو۔

تفسیری جائزہ

أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱشْتَرَوُاْ ٱلضَّلَٰلَةَ بِٱلْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَٰرَتُهُمْ وَمَا كَانُواْ مُهْتَدِينَ [2]

(یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدآیت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے، مگر یہ سودا ان کے لئے نفع بخش نہیں ہے اور یہ ہرگز صحیح راستے پر نہیں ہیں)

تجارت کا مطلب ہے تعلیم کو ترک کرنا اور غلطیوں کا پیچھا کرنا۔ دوسرے لفظوں میں، یہ کل خسارے کی تجارت ہے۔ منافق منافقت کی آڑ میں گھاٹے میں تجارت کرتے تھے۔ لیکن یہ نقصانات آخرت کے نقصانات ہیں اور اس دن ان کے بارے میں جاننے

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، 433

[2] سورہ البقرہ:16

کی ضرورت نہیں۔ دوسری طرف وہ اس منافقت سے براہ راست فائدہ اٹھانے پر بہت خوش تھے اور اس لیے اپنے آپ کو بہت عقلمند سمجھتے تھے اور مسلمانوں کو کم عقل سمجھتے تھے۔

علامہ اقبال قرآن کی اسی آیت کو بنیاد بنا کے یہی بیان فرما رہے ہیں کہ دین کی تجارت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اگر تمہارا دین جائے گا تو تمہارا ایمان بھی جائے گا جس سے تم گمراہ ہو جاؤ گے اسی تجارت سے بچنا چاہیے۔ اگر ہماری دنیا اور آخرت خراب ہو، چاہے اس کے بدلے میں کوئی بھی اچھی سے اچھی چیز ملے دولت شہرت عزت یہ اس کی طرف سے ہے اس لیے ہمیں ایمان کو سلامت رکھتے ہوئے اس کی حفاظت کرتے ہوئے اللہ کے احکام کی پیروی کرنی چاہیے مشکل میں ایمان کو بیچنے کی بجائے صبر کرنا چاہیے۔

6. قہاّری و غفاّری و قدّوسی و جبروت

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان[1]

علامہ نے قرآن مجید کے چار مختلف الفاظ کو استعمال کیا اور بندہ مومن کے کی چار خوبیاں کو ان کے ذریعے بیان فرمائے ہیں کہ مومن قہاری ہوتا ہے جس سے وہ اپنی بات دوسروں سے منواتا ہے اور اللہ کے احکامات کی پیروی کرواتا ہے اس کے بعد دوسرا عنصر غفار ہے یہ اللہ تعالی کی صفت ہے در گزر کرنا معاف فرمانا جب انسان کے سامنے اگر ایسا معاملہ ائے کسی دوسرے کو معاف کرنا ہو تو اس معاف کر دینا چاہیں اس کے بعد تیسرا عنصر بندہ مومن کے لیے ضروری ہے وہ قدوسی ہو اپنے کردار اخلاق میں پاکیزگی اختیار کریں اور آخری لفظ جبروت کا ہے جبروت کا ہے جس کا مطلب رعب و عظمت کے ہیں۔

کلام اقبال نے تلمیحات قرآنی بااعتبار معنی و مفہوم کی ایک کثیر تعداد موجود ہیں اور اس کی وجہ ان کی فکر کا ماخذ قرآن مجید تھا اور پھر جب بھی انہوں نے کسی بھی موضوع پر اپنا نقطہ نظر پیش کیا تو وہ قرآن کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی یہی وجہ ہے اردو اور فارسی کلام میں قرآنی آیات کی کا ترجمہ اور معنی و مفہوم ملتا ہے اور ان کے خطوط اور لیکچرز میں بھی جا بجا وہ اپنی اپنی بات کو مکمل کرنے کے لیے قرآنی آیات کا سہارا لیتے ہیں جس سے کو اپنی فکر لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، ص558

نتائج تحقیق

علامہ محمد اقبال کا قرآن کے ساتھ گہرا تعلق تھا اس شغف کو پروان چڑھانے میں علامہ کے والدین کا بڑا کردار تھا خوش قسمتی سے ایسے اساتذہ ملے جنہوں نے علامہ کے اندر قرآن کی محبت کو پیدا کیا۔ علامہ قرآن کی تلاوت بالجہر کرتے تھے اس کے بعد قرآن کے الفاظ پر توجہ، تفکر و تدبر کرتے تھے۔

یہ سبق ان کے والد نے ان کو دیا تھا کہ قرآن کو ایسے پڑھنا ہے جیسے یہ تمہارے لیے ہی بھیجا گیا ہو علامہ کے خانسامہ علی بخش بیان کرتے ہیں علامہ پر قرآن پڑھتے وقت خوف و رقت طاری ہو جاتی تھی ان کے آنسوں جاری ہو جاتے تھے جس کی وجہ سے قرآن کے ورق تر ہو جاتے تھے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اقبال کا مطالعہ قرآن تسلسل کے ساتھ تھا اور یہی ان کی فکر کا ماخذ بھی تھا۔

دوسری فصل میں علامہ کے فکر کا ماخذ کیا تھا؟

علامہ کی شاعری، خطبات اور خطوط سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اقبال کی فکر کا آغاز اور ارتقاء جو مختلف ادوار سے گزرا اس فکر میں قرآن مجید کو مرکزی حیثیت حاصل رہی یہی وجہ ہے کہ علامہ کی شاعری میں قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ یا مفہوم بار بار ملتا ہے۔

علامہ کے شاگرد سلیم یوسف چشتی جو پہلے شارح اقبال بھی ہیں انہوں نے علامہ سے جب پوچھا کہ آپ کے فلسفہ خودی کا ماخذ کیا ہے تو علامہ نے سورہ المائدہ کی آیت نمبر: 105 کا حوالہ دیا جس میں اللہ تعالی بیان فرماتے ہیں (اے ایمان والو! تم پر اپنی جان کی فکر لازم ہے، تمہارا کچھ نہیں بگاڑ تا جو کوئی گمراہ ہو جب کہ تم ہدآیت یافتہ ہو، تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں بتلا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے)۔

اس کے علاوہ اقبال کا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے گہرا تعلق تھا علامہ کی شاعری میں آپ ﷺ کی سیرت مبارک کے تذکرے بار بار ملتے ہیں وہ نوجوان ملت کو آپؐ کے ساتھ جوڑنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں مسلمانوں کا مرکز و محور آپؐ کی ذات ہے ان کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا تذکرہ علامہ کے سامنے کیا جاتا تو علامہ پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور عشق مصطفی ﷺ سے آنسوں جاری ہو جاتے تھے اور اقبال کا یہ شعر یقینا اسی کیفیت میں لکھا گیا ہو گا ۔

کی محمدؐ سے وفاتُو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

اردو ادب و شاعری میں تلمیحات کے بڑی اہمیت ہے اس زبان میں شاعری کرنے والے مختلف شعراء نے تلمیحات کا استعمال کیا ہے تلمیح ایک اشارہ جو تاریخی، سیاسی، اخلاقی، یا مذہبی واقعات کا حوالہ دیتا ہے۔ تلمیح کا استعمال نظم کے معنی میں گہرائی اور خوبصورتی کا اضافہ کرتا ہے۔ نظم پڑھنے کے بعد پوراواقعہ قاری کے ذہن میں نقش ہو جاتا ہے۔

تلمیح جس سے قاری کو بات سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے شعر کے حسن میں اضافہ کرتی ہے اور اس شعر کا معنی و مفہوم بڑا مفصل انداز میں بیان کر رہی ہوتی ہے تلمیحات کی مختلف اقسام ہیں جن میں مذہبی، تاریخی، علمی، جغرافیائی، رسمی، فرضی، ادبی شامل ہیں۔

کلام اقبال میں یہ تلمیحات موجود ہیں اور اس کی مختلف صورتیں ہیں علامہ اپنے شاعری میں قرآن کے الفاظ کا عربی متن استعمال شعر میں کر دیتے ہیں اس کا دوسرا طریقہ قرآن کی کسی آیت کا ترجمہ وہ شعر کی صورت میں کر لیتے ہیں اور تیسرا طریقہ جو ان کی شاعری میں سب سے زیادہ ہیں قرآن کے مختلف آیات یا مضمون کو اپنے شعر میں استعمال کرتے ہیں جو کہ عربی متن نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا براہ راست تعلق ہوتا ہے مگر وہ قرآن کہ پیغام کی ترجمانی ضرور کر رہا ہوتا ہے۔

اردو شاعری میں تلمیحات کا استعمال عام بات ہے مگر بہت کم اس سے شعراء موجود ہیں جنہوں نے قرآنی تلمیحات کو اپنی شاعری میں ایسی جگہ دی جس سے قرآن کا پیغام بھی لوگوں تک پہنچا اور شعر میں اس کا حسن مزید دوبالا ہو یقینا یہ اقبال کا ہی خاصہ ہے کہ اس مشکل کام کو آسانی سے اپنے اشعار میں بیان کر دیا۔

آخری باب میں علامہ اقبال کا فہم قرآن میں جو منہج تھا اس کا جائزہ لیا گیا قرآن میں موجود تلمیحات جو علامہ نے اپنے اردو کلام میں بیان کی ان کا سیاق وسباق دیگر مفسرین تفسیر کی روشنی میں اور کلام اقبال کی روشنی میں ان دونوں کی تطبیق کر کے جائزہ لیا گیا ہے۔

علامہ اقبال نے اپنے شاعری میں قرآنی تلمیحات کا استعمال کیا ہے مثال کے طور پہ علامہ نے قرآن سے ماخذ ید بیضا کی تلمیح اپنی شاعری میں استعمال کی ہے قرآن مجید میں یہ حضرت موسی علیہ السلام کا معجزہ تھا جب اللہ نے ان کو نبوت عطا فرمائی اور فرعون کے پاس بھیجا تو دو بڑے معجزات عطا فرمائے ایک جب وہ اپنے لاٹھی کو پھینکتے تھے تو وہ سانپ بن جاتی تھی اور دوسرا جب وہ کسی پریشانی میں بغل میں اپنا ہاتھ ڈالتے تو روشن ہو جاتا تھا اور اس نور کی وجہ سے اللہ تعالی ان کو جسمانی اور روحانی طاقت عطا فرماتا تھا جس سے وہ ظالم کے خلاف کھڑے ہوتے تھے.

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں اس معجزہ کا ذکر ایا ہے سورہ اعراف، طہ، شعراء، نمل اور قصص میں بیان ہوا ہے

سورہ قصص کی آیت نمبر 32 میں اللہ تعالی نے اس معجزے کو اس طرح بیان فرمایا..

> اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال، چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے۔ اور خوف سے بچنے کے لیے اپنا بازو بھینچ لے۔ یہ دو روشن نشانیاں ہیں تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے، وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔

علامہ اقبال نے بانگ درا بال جبریل اور ارمغان حجاز میں اس تلمیح کو استعمال کیا ہے بانگ درا میں ارشاد فرماتے ہیں..

نہ پُوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو،

یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں۔

اسی طرح بال جبریل میں فرماتے ہیں..

رہے ہیں، اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک

مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے ید بیضا

علامہ اقبال نے اس تلمیح کو اپنے اشعار میں امید کی کرن کے طور پر اس کو استعمال کیا اور پھر مختلف معنی و مفہوم میں اپنے اشعار میں بیان فرماتے رہے بانگ درا میں ان لوگوں کے بارے میں بیان فرماتے ہیں جو اللہ کے نیک اور صالح بندے ہوتے ہیں جب انسان اللہ کے قریب ہو جاتا ہے تو پھر یہ بعید نہیں کہ اللہ تعالی انسان کے اسی طرح مدد کرے جس طرح حضرت موسی علیہ السلام کو معجزہ عطا کر مدد کی تھی۔

اس طرح بال جبرائیل میں بھی مسلمان نوجوانوں سے خطاب فرماتے ہیں کہ اللہ کا نیک بندہ ہونا اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دنیا میں اس کے نظام کے نفاذ کے لیے کوشش کرنا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ جب ہم ایسا کام کرنے کی کوشش کریں گے تو وقت فرعون گھات لگائے بیٹھے ہوں گے مگر ہمیں خوفزدہ نہیں ہونا کیونکہ اللہ تعالی ہمارے ساتھ ہیں جیسے ظلم کے خلاف حضرت موسی علیہ السلام کے ساتھ تھا۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآنی الفاظ ہوں، یا قرآنی آیات کا مفہوم اقبال اس کو کبھی روایتی مفسرین کی طرح اپنے اشعار میں بیان کرتے ہیں اور کبھی الگ نقطہ نظر رکھتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ قرآنی تلمیحات کو اپنے کلام میں بیان کرتے وقت بہت احتیاط اور عرق ریزی سے کام لیتے تھے۔

جہاں پر انہوں نے الگ مفہوم یا معنی بیان کیا ہے اس میں بھی اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کئی وہ معنی یا مفہوم نہ بیان ہو جائے جو قرآن کے ظاہر اور باطن سے بالکل مختلف ہو۔ اقبال کے اس روش سے آنے والے شعراء کے لیے ایک ضابطہ واضح ہوتا ہے کہ جب وہ قرآنی آیات، تلمیحات کا استعمال اپنے اشعار میں کریں تو اس احتیاط کے ساتھ کریں کہ قرآن کا پیغام بھی واضح ہو جائے اور اس کی مذموم تفسیر بھی نہ ہو۔

سفارشات

1. علامہ اقبال کی شاعری میں موجود آیات کو سورتوں کے اعتبار سے ترتیب دے کر ان کا تفسیری جائزہ لینا چاہیے تاکہ ان آیات کا مفہوم اور اقبال کے کلام میں ان کے استعمال کو سمجھا جا سکے۔
2. اقبال اکادمی پاکستان کو چاہیے کہ وہ قرآنی آیات کے تفسیری جائزے کے لیے علوم القرآن کے ماہرین کی زیر نگرانی تحقیق کروائے تاکہ اقبال کے کلام میں قرآن کے پیغامات کی گہرائی کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔
3. محققین کو اقبال کی شاعری میں قرآن کی تلمیحات کا جدید فکری اور فلسفیانہ تجزیہ کرنا چاہیے تاکہ ان کے پیغامات اور مفہوم کو نئے زاویے سے سمجھا جا سکے۔
4. علوم القرآن، فلسفہ اور اردو ادب کے شعبہ جات کے درمیان تعاون کو فروغ دینا چاہیے تاکہ قرآن کی آیات اور تلمیحات کی بہتر تفہیم ممکن ہو سکے۔
5. محققین کو اقبال کے کلام میں قرآن کی آیات کے استعمال کے لیے ایک ضابطہ تیار کرنا چاہیے تاکہ آیات کے ظاہری اور باطنی مفہوم کی وضاحت کی جا سکے اور تحریف سے بچا جا سکے۔

فہرست آیات

نمبر شمارہ	آیت	سورہ	آیت نمبر
1	اُولٰئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡہُدٰی ۪ فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُہُمۡ وَ مَا کَانُوۡا مُہۡتَدِیۡنَ	سورہ البقرہ	16
2	وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّہَا ثُمَّ عَرَضَہُمۡ عَلَی الۡمَلٰٓئِکَۃِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ ہٰۤؤُلَآءِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ	سورہ البقرہ	31
3	وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰی وَ اسۡتَکۡبَرَ ٭۫ وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ	سورہ البقرہ	34
4	وَ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَا ذَا یُنۡفِقُوۡنَ ۬ؕ قُلِ الۡعَفۡوَ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَتَفَکَّرُوۡنَ	سورہ البقرہ	219
5	رَبَّنَاۤ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ	سورہ العمران	09
6	اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ	سورہ العمران	59
7	اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ	سورۃ آل عمران	96
8	کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدۡخِلَ الۡجَنَّۃَ فَقَدۡ فَازَ ؕ وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ	سورہ العمران	185
9	یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا	سورہ النساء	59
10	اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا	سورۃ المائدۃ	03
11	یَآ اَیُّـھَا الَّـذِیۡنَ اٰمَنُـوۡا عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ ۚ لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اھۡتَدَیۡتُـمۡ ۚ اِلَی اللّٰـہِ مَرۡجِعُکُمۡ جَـمِیۡعًا فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُـمۡ تَعۡمَلُوۡنَ	المائدہ	105

48	سورہ الانعام	وَ مَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ ۚ فَمَنۡ اٰمَنَ وَ اَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ	12
46	سورہ العراف	وَ بَیۡنَہُمَا حِجَابٌ ۚ وَ عَلَی الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ یَّعۡرِفُوۡنَ کُلًّا بِسِیۡمٰہُمۡ ۚ وَ نَادَوۡا اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ ۟ لَمۡ یَدۡخُلُوۡہَا وَ ہُمۡ یَطۡمَعُوۡنَ	13
48	سورہ العراف	وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا یَّعۡرِفُوۡنَہُمۡ بِسِیۡمٰہُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡکُمۡ جَمۡعُکُمۡ وَمَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَکۡبِرُوۡنَ	14
143	سورہ العراف	وَ لَمَّا جَآءَ مُوۡسٰی لِمِیۡقَاتِنَا وَ کَلَّمَہٗ رَبُّہٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ ؕ قَالَ لَنۡ تَرٰىنِیۡ وَ لٰکِنِ انۡظُرۡ اِلَی الۡجَبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوۡفَ تَرٰىنِیۡ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلۡجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّ خَرَّ مُوۡسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبۡحٰنَکَ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	15
172	سورہ العراف	وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّکَ مِنۡ بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُہُوۡرِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ وَاَشۡہَدَہُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی ۚۛ شَہِدۡنَا ۚۛ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنۡ ہٰذَا غٰفِلِیۡنَ ۙ	16
51	سورہ یونس	اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ ؕ آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ کُنۡتُمۡ بِہٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ	17
55	سورہ یونس	اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّلٰـکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ	18
62	سورہ یونس	اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ	19
10	یوسف	قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡہُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ وَ اَلۡقُوۡہُ فِیۡ غَیٰبَتِ الۡجُبِّ یَلۡتَقِطۡہُ بَعۡضُ السَّیَّارَۃِ اِنۡ کُنۡتُمۡ فٰعِلِیۡنَ	20
18	یوسف	اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ	21
01	سورہ بنی اسرائیل	سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ	22

79	سورہ بنی اسرائیل	وَ مِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ٭ۖ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا	23
114	سورہ طہ	فَتَعٰلَی اللّٰہُ الۡمَلِکُ الۡحَقُّ ۚ وَ لَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّقۡضٰۤی اِلَیۡکَ وَحۡیُہٗ ۫ وَ قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا	24
123	سورۃ طہ	قَالَ اہۡبِطَا مِنۡہَا جَمِیۡعًۢا بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ہُدًی ۬ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ ہُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشۡقٰی	25
69	سورہ الانبیاء	قُلۡنَا یٰنَارُ کُوۡنِیۡ بَرۡدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ	26
96	الأنبیاء	حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَ مَاۡجُوۡجُ وَ ہُمۡ مِّنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ	27
34	سورہ النمل	قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡكَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡیَۃً اَفۡسَدُوۡهَا وَجَعَلُوۡۤا اَعِزَّۃَ اَهۡلِهَاۤ اَذِلَّۃً ۚ وَكَذٰلِكَ یَفۡعَلُوۡنَ	28
89	سورہ الشعراء	اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ	29
27	سورہ القصص	قَالَ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡکِحَکَ اِحۡدَی ابۡنَتَیَّ ہٰتَیۡنِ عَلٰۤی اَنۡ تَاۡجُرَنِیۡ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِکَ ۚ وَ مَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اَشُقَّ عَلَیۡکَ ؕ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ	30
31	سورہ القصص	وَ اَنۡ اَلۡقِ عَصَاکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰہَا تَہۡتَزُّ کَاَنَّہَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدۡبِرًا وَّ لَمۡ یُعَقِّبۡ ؕ یٰمُوۡسٰۤی اَقۡبِلۡ وَ لَا تَخَفۡ ۟ اِنَّکَ مِنَ الۡاٰمِنِیۡنَ	31
88	سورہ القصص	وَ لَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۟ کُلُّ شَیۡءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجۡہَہٗ ؕ لَہُ الۡحُکۡمُ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ	32
28	سورہ لقمان	مَا **خَلۡقُکُمۡ وَ لَا بَعۡثُکُمۡ اِلَّا کَنَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ**	33

34	اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَ حَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا	سورة الأحزاب	08
35	مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَ لٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا	سورة الأحزاب	40
36	یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا(45)وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذۡنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیۡرًا(46	سوره الاحزاب	45،46
37	فَلَمَّا بَلَغَ مَعَہُ السَّعۡیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ	سورة الصافات	102
38	وَالَّذِيْنَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ	الفتح	29
39	مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ تَرٰىہُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا	سوره الفتح	29
40	مُتَّکِئِیۡنَ عَلٰی سُرُرٍ مَّصۡفُوۡفَۃٍ ۚ وَ زَوَّجۡنٰہُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ	سوره الطور	20
41	وَ النَّجۡمِ اِذَا ہَوٰی	سوره النجم	01
42	مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَ مَا طَغٰی	سوره النجم	18
43	اَفَرَءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَ الۡعُزّٰی،وَ مَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الۡاُخۡرٰی	سوره النجم	19،20
44	وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی	سوره النجم	39

15	سورة الملك	ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا فَامۡشُوۡا فِیۡ مَنَاکِبِہَا وَ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِہٖ ؕ وَ اِلَیۡہِ النُّشُوۡرُ۔	45
04	سوره القلم	وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ	46
26	سوره نوح	وَقَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا	47
18	سوره الدهر	عَیۡنًا فِیۡہَا تُسَمّٰی سَلۡسَبِیۡلًا	48
21	سوره الدهر	عٰلِیَہُمۡ ثِیَابُ سُنۡدُسٍ خُضۡرٌ وَّاِسۡتَبۡرَقٌ وَّحُلُّوۡۤا اَسَاوِرَ مِنۡ فِضَّۃٍ ۚ وَسَقٰہُمۡ رَبُّہُمۡ شَرَابًا طَہُوۡرًا	49
01	سورة الاعلى	سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی	50
01	سورة الشمس	وَ الشَّمۡسِ وَ ضُحٰہَا ۪ۙ	51
04	سوره الم نشرح	وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَؕ	52

فہرست مصادر و مراجع(List of Sources and References)

القرآن و التفاسیر:

1. القرآن۔
2. اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر القرآن، فاران فائونڈیشن لاہور ، 1430ھ۔
3. الرّازي، فخر الدین، مفاتیح الغیب أو التفسیر الکبیر، دار إحیاء التراث العربي-بیروت، -۱۴۲۰ھ۔
4. الزمخشري، محمود بن عمرو بن أحمد، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، دار الکتاب العربي، بیروت، ۱۴۰۷ھ۔
5. مودودی، سید ابو الاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، 1368ھ۔
6. عبد الرحمان گیلانی، مولانا، تیسیر القرآن، مکتب اسلامیہ لاہور۔

اقبالیات:

1. اقبال، ڈاکٹر، علامہ، ضرب کلیم، کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور، 1944
2. ایضاً، بانگ درا، شیخ غلام اینڈ سنز پبلشرز لاہور، 1982
3. ایضاً، کلیات اقبال، ضرب کلیم، استقلال پریس لاہور، 1990
4. ایضاً، بال جبرائیل، اقبال اکادمی پاکستان، 1986
5. سلیم یوسف چشتی، پروفیسر، بانگ درا مع شرح، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی 1991
6. ایضاً، ضرب کلیم مع شرع، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی 1991
7. ایضاً، بال جبرائیل مع شرح، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی 1977
8. غلام مہر رسول، مولانا، مطالب بال جبرائیل، چمن بک ڈپو اردو بازار دہلی 1956
9. ایضاً، مطالب ضرب کلیم، چمن بک ڈپو، اردو بازار دہلی
10. ایضاً، مطالب بانگ درا، چمن بک ڈپو اردو بازار دہلی

فہرست کتب:

1. انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نشنل بک فاؤنڈیشن 2017ء
2. اکبر حسین قریشی، مطالعہ تلمیحات و ارشادات اقبال، اقبال اکادمی لاہور، 1994
3. احمد دہلوی، مولوی، فرہنگ آصفیہ، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، 1974

4. انور علی، سید، اقبال اور مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نیو دہلی 1980
5. صدیقی، اللیث، ابو، ملفوظات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 1977
6. بدیع الزماں، محمد، اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات اور قرآنی آیات کے منظوم ترجمے، دانش بک ڈپو فیض آباد یوپی، 1995
7. پرویز احمد، غلام، اقبال اور قرآن، طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور 1975
8. جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، سنگ میل پبلی کیشنز، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 2004
9. حسرت، چراغ حسن، اقبال نامہ، ہونہار بک ڈیپو ریلوے روڈ لاہور 1940
10. شیخ عطاء اللہ، اقبال نامہ، شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور.
11. عطاالرحمان صدیقی ندوی، ڈاکٹر، اردو شاعری میں اسلامی تلمیحات، کاکوری افسٹ پریس لکھنؤ ,2004
12. بٹالوی عارف، ڈاکٹر، اقبال اور قرآن، پریس رابسین روڈ کراچی 1950,
13. عبد الحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، فکر اقبال، بزم اقبال لاہور، 1988
14. عبد اللہ، سید، مسائل اقبال، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور 1987
15. عبد المجید سالک، مولانا، ذکر اقبال، بزم اقبال لاہور 1983 .
16. عبد الحمید، اقبال بحثیت مفکر پاکستان، اقبال اکادمی لاہور 1977
17. علی شریعتی, علامہ اقبال (مصلح قرآن آخر)، مترجم کبیر احمد جائسی، اقبال انسٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی، سری نگر 1972
18. غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر، اقبال اور قرآن، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، 1977 .
19. فیروز الدین، الحاج مولوی، فیروز سنز پرائیویٹ 2005
20. مصائب علی صدیقی، ڈاکٹر اردو ادب میں تلمیحات، مظامی پریس لکھنؤ 1990
21. محمد سہیل عمر، اقبال کے سو سال، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد 2002ء
22. محمد طاہر فاروقی، پروفیسر، ہمالیہ بک ہاؤس، دہلی، 1938،
23. محمد مصلح، قرآن اور اقبال، اقبال صدی پبلیشرز نئی دہلی 1977
24. محمد منظور عالم، کلام اقبال میں قرآنی آیات واحادیث اور مذہبی اصطلاحات کا جائزہ،، انجم ترقی اردو ہند نئی دلی 1995,
25. مہذب، لکھنوی، مہذب اللغات مقرب لکھنو، سن اشاعت 1962ء
26. محمد منور، ایقان اقبال، سول اینڈ ملٹری پریس کراچی، جنوری 1977
27. مظفر حسین، سید، عاص فکر اقبال، ال پاکستان اسلامک ایجوکیشنل کانگریس، لاہور،
28. ندوی، ابو الحسن علی، مولانا، نقوش اقبال، مجلس نشریات اسلام کراچی، 1975۔
29. نور الحسن نیر، مولوی، نوو الغات، ترقی اردو بیورو نئی دہلی 1989
30. نذیر نیازی، سید، اقبال کے حضور، اقبال اکادمی پاکستان، 1971

31. ایضاً، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، بزم اقبال لاہور، 1986
32. علامہ اقبالؒ کا خاص ملازم علی بخش، روزنامہ دنیا، 16 جنوری، 2018
33. وحید الدین سلیم، افادات سلیم، سید اشرف حیدر آبادی،
34. وحید الدین، سید، روز گار فقر، جامعہ ہمدرد، دہلی، 1964